

عاشوراء کا روزہ

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ خود بھی اس دن کا روزہ رکھتے اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیتے، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ ﷺ نے عاشوراء کے روزے میں اختیار دیتے ہوئے فرمایا: ”جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے اور جو چاہے اسے چھوڑ دے۔“ (صحیح مسلم: ۱۱۲۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یوم عاشوراء کا روزہ گزشتہ سال کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۱۶۲)

سیدنا حسن حسین رضی اللہ عنہما کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے اپنے نواسوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا: ((ہما ریحانتای من الدنیا)) ”یہ دونوں میرے دنیا کے پھول ہیں۔“ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۷۵۳) اہل عراق میں سے ایک شخص نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اگر مجھ پر خون کپڑے کو لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے کہا: اس آدمی کو دیکھو، یہ مجھ پر خون کے متعلق سوال کرتا ہے جبکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے جگر گوشے کو قتل کیا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((إن الحسن والحسين هما ریحانتای من الدنیا.)) (ترمذی: ۳۷۷۰ و صحیحہ الألبانی) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی اور سب سے پیاری صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر تھے اور نبی ﷺ کو آپ سے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے شدید محبت تھی۔ عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک صحابی نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: ((اللہم انی أحبہما فأحبہما.)) یعنی اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں لہذا تو بھی ان سے محبت کر۔ (مسند أحمد: ۲۱۱/۳۸ و إسناده صحیح۔ ترمذی: ۳۷۹۲ و صحیحہ الألبانی) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ نبی کریم ﷺ کے ایک کندھے پر حسن اور دوسرے کندھے پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہما تھے اور آپ ﷺ کبھی ان سے پیار کرتے اور کبھی ان سے، چنانچہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ﷺ کو ان سے محبت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((من أحبہما فقد أحببني، ومن أبغضہما فقد أبغضني.)) ”جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ (أحمد: ۲۶۰/۱۳، ۴۲۰/۱۵، وابن ماجہ: ۱۴۳ باختصار و حسنہ الألبانی) نبی کریم ﷺ کو اپنے ان نواسوں سے اس قدر محبت تھی کہ آپ ﷺ ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اس دوران سیدنا حسن و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما نمودار ہوئے۔ انھوں نے سرخ رنگ کی قمیص پہنی ہوئی تھیں اور وہ ان میں بار بار پھسل رہے تھے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنا خطبہ روک دیا اور ممبر سے نیچے اتر آئے، انھیں اٹھایا اور اپنی گود میں بٹھالیا، پھر آپ ﷺ انھیں اٹھائے ہوئے ممبر پر چڑھائے اس کے بعد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ ”بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔“ میں نے انھیں دیکھا تو مجھ سے رہانہ جاسکا۔“ پھر آپ ﷺ نے اپنا خطبہ مکمل کیا۔ (أبو داود: ۱۱۰۹، النسائی: ۱۴۱۳، ابن ماجہ: ۳۶۰۰، و صحیحہ الألبانی) آپ ﷺ نے فرمایا: ((إن الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة.)) ”حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) نوجوانانِ جنت کے سردار ہوں گے۔“ (ترمذی: ۳۷۸۱، و صحیحہ الألبانی)

(لیاقت علی باجوہ فیروز پوری، سیالکوٹ)

فہرست

2	(حافظ احمد شاہ کر)	جواہر پارے	عاشوراء کا روزہ
4	(مولانا ارشاد الحق اثری)	کلمہ طیبہ	سیدنا حسن و حسین علیہما السلام کی فضیلت
7	(حافظ محمد اشرف سعید)	اداریہ	
10	(مفتی مولانا محمد عبداللہ عقیف)	درس قرآن	تفسیر سورہ فاطر..... (۳۸)
13	(مولانا ارشاد الحق اثری)	درس حدیث	توفیق الباری
17	(حافظ بلال اشرف اعظمی)	افتاء	
20	(محمد شریف بلغاری)	تحقیق و تنقید	مسند الإمام أبی حنیفۃ للحارثی..... (۶)
25	(حافظ احمد شاہ کر)	تحقیق و تنقید	عاشوراء کا روزہ
27	(شیخ عبدالرشید صاحب صدیقی)	فکر و نظر	جمہوریت کی قبا حشیں..... (۲)
30	(جماد الحق نعیم۔ محمد سلیم چنیوٹی)	یاد رفتگان	بہر دولت حکیم محمد سعید
	(علامہ ڈاکٹر محمد اقبال)	خدمات اہل حدیث	متحدہ ہندوستان کی تحریک خلافت
		تبصرہ کتب	دنیا کا خاتمہ۔ حکیم راحت نسیم سوہدروی.....
		شعر و ادب	مہدی برحق

سنہری موقع

تکوینی امر، علماء یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اہم کام یا بات فاعل (کرنے والے) سے غیر ارادی طور پر ہو جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کن فرماتا ہے اور وہ واقعہ ہو جاتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی غافل فرد یا قوم کو متوجہ کرنے یا ان کو آزمائش سے نکالنا چاہتا ہے۔ ہمارے خیال میں مہمند ایجنسی میں عساکر پاکستان کے ذمہ دار، بہادر، وفادار اور جیالے سپوتوں کی شہادت کا ہونے والا اندوہناک حادثہ بھی اللہ تعالیٰ کا تکوینی امر ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب نیٹو افواج کا کمانڈر اس ظلم و تعدی کو کبھی غیر ارادی کہہ کر جرم کی نوعیت کم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی پاکستان کی فوجی چوکی کو طالبان کا ٹھکانہ کہنے کا صریح جھوٹ..... اس لیے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے..... بولا جا رہا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امریکہ نے پاکستان کے پرسکون تالاب میں جان بوجھ کر یہ پتھر پھینکا تا کہ وہ پاکستانیوں بلکہ پاکستانی مسلمانوں کے مذہبی جذبات کے تلاطم کا اندازہ کر سکے۔ اس سے پہلے نامشرف دور میں وہ اس قسم کے کئی تجربے کر چکا تھا کہ اس وقت مذہبی جذبات کے اظہار پر قدغن ہونے کے باعث مذہبی جذبات کی حدت و شدت کی آنچ امریکہ تک پہنچنے نہ دی جاتی تھی۔ اب چونکہ پاکستان کے دفاع و حفاظت کے ذمہ دار ادارے پوری طرح چوکس ہو چکے اور ان کی مثبت حکمت عملی میں غیرت و حمیت کا عنصر غالب ہونا شروع ہو گیا ہے، اس لیے اب امریکہ کو رد عمل میں احساس کمتری کی بجائے مومنانہ و جرات مندانہ رد عمل سے واسطہ محسوس ہونے لگا ہے، اس لیے اب امریکی حکومت، اس کے عہدیدار اور کارندے آئیں، بائیں، شاکیں کرتے ہوئے بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے ہیں۔ بعض مخلص اصحاب علم و فہم ایسے واہموں کا بھی شکار ہونے لگے تھے کہ نامشرف دور کی حکومت پر جب کوئی آسیب لہرانے لگتا تو ہمارے یارانِ طرحدار کی طرف سے اس طرح کا کوئی واقعہ کروا دیا جاتا۔ کیونکہ آج کل میموں آ کا سبیل حکومت پر سائے ڈال رہی تھی، ان کا خیال تھا کہیں یہ بھی ویسا ہی حربہ نہ ہو۔ نیز اس دور میں یوں بھی ہوتا رہا کہ آقائے ولی نعمت کا جب بھی کوئی ایلیٹی یا کارندہ اپنے باجگزاروں کی کارکردگی دیکھنے آتا تو اس کو اس طرح کی ہولناک سلامی پیش کیا جاتا بھی اس دور نامشرف کا معمول تھا، لیکن اس سانچے پر عساکر پاکستان کے کندھے سے کندھا ملائے پوری قوم، اپوزیشن اور اراکین حکومت کے بھرپور احتجاج نے اس وہم کو دور کر دیا۔ مختلف مقامات پر شہداء کی غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام اور حکومت کا فوراً نیٹو سپلائی بند کر دینا، منشی ایمر بیس پندرہ دن کے اندر خالی کرنے کا مطالبہ اور فوری طور پر ششی ایمر بیس کی سرگرمیاں محدود کر دینا اس اتفاق و اتحاد کی وہ علامتیں ہیں جن کی ایسے نازک وقتوں میں بیدار قوموں سے توقع کی جاتی ہے۔ اس وقت وطن عزیز کی فلاح و بہبود کے خواہش مند بے غرض عوام افواج پاکستان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے تکوینی امر سے وطن عزیز کی قیادت اور سپہ سالار کو سنہری موقع فراہم کر دیا ہے کہ وہ فی الفور صلیبی جنگ، جس کو وہ دہشت گردی کا پر فریب نام دیتا ہے، سے باہر نکل آئیں اور صلیب کے بالمقابل ہلال بن کر کھڑے ہو جائیں اور اس سے نپٹنے کا اعلان کر دیں، ان شاء اللہ اب بھی۔

فضائے بدر پیدا کر کہ فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

بس ہمیں اس بات پر پورا یقین و ایمان ہونا چاہیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ سچا، اس کے رسول ﷺ سچے، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب سچی اور اس کتاب کی وہ تفسیر بھی سچی جو نبی ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ صدق اللہ العلیٰ العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم ﷺ۔

قرآن حکیم کے متعدد مقامات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کفار سے دوستی، ان کو ہم راز بنانے اور ان پر اعتماد کرنے کو سختی سے منع فرمایا جس کا ہم ان صفحات میں بار بار تذکرہ کرتے رہتے ہیں کہ ہم دینی تعلیمات کی روشنی میں اس کو وطن کے مصائب و آفات کی بنیادی خرابی جانتے ہیں۔ ممانعت کے صریح احکام کے علاوہ سورہ مجتہدہ میں اللہ تعالیٰ نے تفصیلاً فرمایا ہے: ”تم ان سے محبت کی پیٹگیں بڑھاتے ہو جبکہ وہ تم پر نازل شدہ حق کا انکار کرتے ہیں۔“

اور دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اس دلی خواہش کا ایک سے زیادہ مرتبہ ذکر فرمایا ہے کہ کفار تو یہ چاہتے ہیں کہ تم..... مسلمان..... واپس کفر کی طرف ہی لوٹ جاؤ۔ ان آیات سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے کوئی نرم گوشہ رکھنا بھی پسند نہیں فرماتا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی نہیں کم

وبیش دنیا کا ہر مسلمان ملک اور اس کا حاکم انصاف الکفر کے لیے صرف نرم گوشہ ہی نہیں رکھتا بلکہ کفر کے ”حضور“ اس کا رویہ عموماً ملتجیانہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس صریحاً نافرمانی کے بعد بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے نصرت و رحمت کا انتظار کرنا یا توقع رکھنا کیا دانتی کی بات ہے؟
جنوں سے تجھ کو امید خدا سے ناامیدی مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

نظریہ پاکستان کی تلاش:

سیاسی ٹرائیکا (پی۔ پی۔ پی۔ لیگ، تحریک انصاف) یعنی سیاسی تگمدم آج کل بستی بستی، شہر شہر اور قریہ قریہ شعلہ فشاں ہے۔ جائز و ناجائز سے بے نیاز دولت رکھنے اور سیاست (بمعنی اقتدار) سے دلچسپی والا ہر فرد آج کل دانے و نلکے کی تلاش میں اپنی اپنی منڈیر پہ کھڑا اس جائزے میں مصروف ہے کہ دانہ کس جگہ کثیر المقدار اور ممکن الحصول ہے تاکہ وہ اسی صحن میں جاگرے جہاں اس کو منزل قریب محسوس ہو۔ مسلم لیگ (ف، ق، ن) کے ارکان سب سے زیادہ ”جرات پر واز“ رکھتے ہیں کہ وہ دنیا میں صورت خورشید اس طرح جیتے ہیں کہ ادھر (ایک جماعت میں) ڈوبے ادھر (دوسری جماعت میں) نکلے اور ادھر ڈوبے کہ ادھر نکلے۔ تاہم قیام پاکستان سے اب تک اس ”مسلم لیگ“ کے کئی نکلے ہوئے۔ کوئی یہاں گر کوئی وہاں گر کہ ہر حکمران نے طول اقتدار کے لیے مسلم لیگ ہی سے استمتاع (فائدہ اٹھایا) کیا۔ صدر ایوب مرحوم کے دور میں کنونشن لیگ تشکیل کی گئی اس کے بعد ق لیگ، تنک پھر چل سو چل۔ ان میں ن لیگ قدرے سخت جان نکلی کہ دو دفعہ اس کے سر پر اقتدار کا ہما بیٹھا اگرچہ پہلی باری (First Term) سے دوسری باری کا طریق حکمرانی بایں معنی مختلف تھا کہ اس وقت اس کا طریق سیاست خالص پاکستانی تھا۔ تاہم سیکینڈ ٹرم میں بھی اس کی پاکستانیت نسبتاً برقرار رہی کہ اس میں اس نے ایٹمی دھماکہ کر کے اپنے نامہ اعمال میں ایک عمل خیر سنہری حروف سے لکھ لیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس نے ایک ایسا اعزاز حاصل کر لیا جو اب تک کسی دوسرے حکمران کو نصیب نہ ہوا۔

پاکستان پیپلز پارٹی ایک نظریاتی جماعت تھی جس میں اب نظریاتی کارکن کم اور مفاداتی زیادہ ہیں۔ بعض مخلص کارکن اس کو بھٹو مرحوم کی پارٹی تسلیم کرنے ہی میں متامل ہیں۔ لیکن افسوس کہ اس کے دور حکمرانی کی یادیں خوشگوار نہیں۔ بھٹو مرحوم کی پارٹی ابتلاء و آزمائش کی بھی ایک تاریخ رکھتی ہے اور افسوس ہے کہ پیپلز پارٹی کے سارے ادوار اقتدار..... ابتلاء و آزمائش میں..... عبرت کے کئی پہلو رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا یہ دونوں سیاسی جماعتیں آزمودہ اور ان دونوں کا ماضی بھی عوام کے کا دیکھا بھلا ہے۔ تحریک انصاف اب تقریباً بلوغت کی عمر..... ۱۵ سال..... کو پہنچ رہی ہے۔ یہ ابھی تک حرم اقتدار اور اس کی آلائشوں سے بے خبر لیکن اس کی متمنی بہت ہے۔ دانے و نلکے کے متلاشی سیاسی پرندے خیالات و مفادات کا چشمہ لگائے ادھر ادھر پھدک رہے ہیں۔ اب دیکھیے کس کا دانہ دیکھ ان کو کہاں کہاں لے جاتا ہے۔ فی الحال تو تحریک انصاف استعمار کے پشتینی خادموں اقتدار کے دستر خوانوں اور سیاسی سورج کھیوں کے ساتھ ”انصاف کا نام روشن“ کر رہی ہے۔ تاہم فی الحال ع آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

مسلم لیگ ہمیشہ سے خود کو نظریہ پاکستان کی خالق کہتی چلی آ رہی ہے اور نظریہ پاکستان کا لفظی تقدس یہاں تک بیان کیا جاتا رہا، بلکہ آئین پاکستان میں اس کو مستقلاً شامل کرنے کے بعد ”عموماً اس کو اسلام کا ہم معنی کہا جانے لگا۔ پی۔ پی۔ پی۔ اور تحریک انصاف کے منشوروں میں انصاف، استحکام، غیرت و حمیت، دیانت وغیرہ کے نام تو ہیں کہ ان ہی کا عموماً ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے لیکن اسلام، نظام اسلام یا نفاذ اسلام کا تذکرہ نظر سے کہیں نہیں گزرا لیکن نظریہ پاکستان کا نفاذ چاہنے والوں کو مسلم لیگ (ن) سے اس وقت سخت مایوسی ہوتی ہے جب وہ بھی دیگر سیکولر جماعتوں کی ہم سری میں نظریہ پاکستان کے نفاذ کا تذکرہ کرتی ہے نہ اس کے نفاذ کی خواہش کا اظہار کرتی ہے بلکہ اس کے قائدین کی تقاریر بھی انھی جذبات و خیالات کا پرتو ہوتی ہیں جو دیگر جماعتوں کے قائدین ہمیشہ کے لچھے ہوئے مسائل کا تذکرہ گرمی محفل یا سیاسی ارتعاش پیدا کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔ تمام جماعتوں کے لیڈر اپنی کردہ و نا کردہ فلاحی خدمات کے تذکرے سے نعرے تو گلوں لیتے ہیں لیکن عوام کو بنیادی ضروریات مہیا کرنے میں ہونے والی کوتاہیوں کو گول کر جاتے ہیں۔ اپنے سیاسی و معاشرتی رجحان کے باعث ہم میاں برادران سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ سب سے پہلے اگر نفاذ اسلام کا نعرہ حق لگا دیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں تو اللہ تعالیٰ وطن عزیز کی جملہ پریشانیوں دور کر کے ملک کو درپیش مسائل حل کرنے میں ان کی ضرورت مدد فرمائے گا۔ وہ سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے آدمی کو دیتا ہے نجات

تفسیر سورہ فاطر

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

رُسُلَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوْاىَ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ ۝ [الروم: ۹، ۱۰]

”اور کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ ان سے قوت میں زیادہ سخت تھے اور انھوں نے زمین کو پھاڑا اور اسے آباد کیا اس سے زیادہ جو انھوں نے آباد کیا ہے، اور ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں لے کر آئے تو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے اور لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ پھر ان لوگوں کا انجام، جنھوں نے برائی کی، بہت برا ہی ہوا، اس لیے کہ انھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔“

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّحِيصٍ ۝﴾ [ق: ۳۶]

”اور ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی نسلیں ہلاک کر دیں جو پکڑنے میں ان سے زیادہ سخت تھیں۔ پس انھوں نے شہروں کو چھان مارا، کیا بھاگنے کی کوئی جگہ ہے؟“

سورۃ ق کی اسی آیت کے ضمن میں جو کچھ ہم ذکر کر چکے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ﴾ انسان تو کیا، آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز نہیں جو اللہ کی گرفت سے باہر ہو۔ اور کسی میں یہ قدرت

﴿أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ۝﴾ [الفاطر: ۴۴]

”اور کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسے ہوا جو ان سے پہلے تھے، حالانکہ وہ قوت میں ان سے زیادہ سخت تھے۔ اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں کوئی اسے بے بس کر دے، بے شک وہ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی سنت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کا ذکر پہلی آیت میں ہوا ہے کہ کیا انھوں نے مکہ مکرمہ سے باہر آنے جانے کا کوئی سفر نہیں کیا؟ اور تجارتی سفروں میں شام، عراق اور یمن میں نہیں گئے؟ انھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کی قومیں جو قوت اور طاقت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں، ان کی شان و شوکت اور ان کی عیش و عشرت تم سے کہیں زیادہ تھی مگر اپنے انبیاء کی تکذیب کے نتیجے میں ان کا انجام کیا ہوا؟ اگر دیکھا ہے تو ان کے انجام سے کوئی سبق نہیں سیکھا، ورنہ دیکھنے کا انھیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ اور اگر سفر نہیں کیا تو سفر کر کے ان کا انجام دیکھ لو۔ سورۃ الروم میں بھی فرمایا ہے:

﴿أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ

الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَكَ اٰ

[مریم: ۸۸-۹۱]

”اور انھوں نے کہا: رحمان نے کوئی اولاد بنالی ہے۔ بلاشبہ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات کو آئے ہو۔ قریب ہیں کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں کہ انھوں نے رحمان کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا۔“

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا کا زوال ایک مسلمان کے قتل کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بالکل بے قیمت ہے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، غایۃ المرام، رقم: ۴۳۹)

اس لیے اگر کسی گناہ پر فی الفور مواخذہ ہونا ہوتا تو صرف اسی بات پر کہ (معاذ اللہ) عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں یا ایک مسلمان کا قتل ہو جانا زمین و آسمان کے تہ وبالا ہو جانے کے لیے کافی ہے۔ مگر ایسا ہے کہ اللہ کی رحمت اللہ کے غضب سے سبقت لے گئی ہے:

”سبقت رحمתי غضبی.“ (مسلم: ۶۹۷۰)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَرُبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ط لَوِیْۤا اِخْذُھُمْ بِمَا كَسَبُوۡا لَعَجَلْ لَّھُمْ الْعَذَابُ ط بَلْ لَّھُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوۡا مِنْ دُوۡنِہٖ مَّوۡئِلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرٰی اَھْلَکُنَّھُمْ لَمَّا ظَلَمُوۡا وَجَعَلْنَا لِمِیۡلَہِمْ مَّوْعِدًا﴾ [الکھف: ۵۸، ۵۹]

”اور تیرا رب نہایت بخشنے والا، خاص رحمت والا ہے۔ اگر وہ انھیں اس کی وجہ سے پکڑے جو انھوں نے کمایا ہے تو یقیناً ان کے لیے جلد عذاب بھیج دے، بلکہ ان کے لیے وعدے کا ایک وقت ہے جس سے بچنے کی وہ ہرگز کوئی پناہ گاہ نہ پائیں گے۔ اور یہی بستیاں ہیں ہم نے انھیں ہلاک کر دیا جب انھوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک مقرر وقت رکھ دیا ہے۔“

گویا یہ مہلت اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش کی وجہ سے ہے۔

وقت نہیں وہ اپنے آپ کو یا کسی اور کو عذاب سے بچا سکے۔ اللہ ہی سب پر قاہر و قادر ہے، وہ ”علیم و قدیر“ ہے، آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝﴾ [آل عمران: ۵]

”بے شک اللہ وہ ہے جس پر کوئی چیز نہ زمین میں چھپی رہتی ہے اور نہ آسمان میں۔“

اسے ہر ایک کا علم ہے۔ کوئی چیز اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں اور کوئی کام اس کے دست قدرت سے باہر نہیں، اس لیے نہ کوئی اس سے چھپ سکتا ہے، نہ ہی کہیں بھاگ سکتا ہے۔

﴿وَلَوِیْۤوۡا اِخْذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَھَرِھَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ یُّوۡخَرُھُمْ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِہٖ بَصِیۡرًا ۝﴾

[الفاطر: ۴۵]

”اور اگر اللہ لوگوں کو اس کی وجہ سے پکڑے جو انھوں نے کمایا تو اس (زمین) کی پشت پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑے اور لیکن وہ انھیں ایک مقرر وقت تک مہلت دیتا ہے، پھر جب ان کا مقرر وقت آجائے تو بے شک اللہ اپنے بندوں کو ہمیشہ سے خوب دیکھنے والا ہے۔“

اس آیت میں بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اسی سنت کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر پہلے آیت نمبر (۴۳) میں ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کا فی الفور مواخذہ نہیں کرتے بلکہ اپنے حلم و عفو کی بنا پر درگزر فرماتے ہیں۔

﴿كَسَبُوۡا﴾ سے مراد ظلم ہے جیسا کہ بالکل اسی اسلوب میں سورۃ النحل (۶۱) میں ہے۔ دوسرے جرائم کے علاوہ تنہا ایک جرم ہی ایسا ہے کہ اس کا نتیجہ ہر چیز کی تباہی و بربادی ہے، جیسے فرمایا:

﴿وَقَالُوۡا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۚ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِذَا ۝ تَكَاۡدُ السَّۡوَتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہٗ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ

”اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی طرف سے ایک وقت مقرر تک پہلے طے ہو چکی تو ضرور اُن کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔“

﴿وَلَوْ لَا كَلِمَةُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزِمَامًا وَاجِلٌ مُسْمًى﴾ [طہ: ۱۲۹]

”اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی طرف سے پہلے ہو چکی اور ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو وہی (پہلے لوگوں والا عذاب) لازم ہو جاتا ہے۔“

اس لیے اگر مواخذہ نہیں ہوتا تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی ایک سنت کا فرما ہے۔ ہر ایک کی ”اجل مسمیٰ“ کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہے، اس لیے عذاب اس وقت تک کے لیے مؤخر کر دیتا ہے۔



یہاں ”وربک“ میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے جس میں آپ ﷺ کی تسلی کا ایک لطیف اشارہ ہے کہ ان کی تمام تر نافرمانیوں کے باوجود، اور ان کی نافرمانیوں پر آپ ﷺ کی پریشانیوں کے علی الرغم ان پر فی الفور عذاب اس لیے نہیں اترا کہ تیرا رب نہایت بخشنے والا اور خاص رحمت والا ہے۔ میں نے آپ کو ”رحمۃ للعالمین“ بنایا ہے اور آپ ﷺ نے اسی صفت کی بنا پر کبھی ان کے لیے دعا نہیں کی تو میری اسی صفت رحیمیت کی بنا پر ہی عذاب سے انھیں مہلت مل رہی ہے۔ ہر ایک کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر ہے۔ پہلی جن ظالم امتوں پر میرا عذاب آیا وہ بھی وقت مقررہ پر ہی آیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے وقت مقرر کر رکھا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اس سے پہلے ان کی قسمت کا فیصلہ نہیں کرتے:

﴿وَلَوْ لَا كَلِمَةُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَفُضِّیَ بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ: ۱۴]

دارالدعوة السلفیہ کے رکن شیخ محمد عتیق صاحب کو صدمہ

دارالدعوة السلفیہ کے رکن شیخ محمد عتیق صاحب کے والد گرامی اور الاعتصام کے معزز قاری محترم حاجی محمد اسلم صاحب (ٹین مرچنٹ، سرکلر روڈ لاہور) کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان لاہور کے سابق ناظم اعلیٰ مولانا محمد رمضان صاحب کے بیٹے تھے۔ وہ ہفت روزہ الاعتصام کے پرانے قارئین میں سے تھے۔ ہر شمارہ بغور پڑھتے تھے۔ کبھی شمارہ ڈاک میں ادھر ادھر ہو جاتا تو فون کر کے دوبارہ منگواتے تھے۔ بڑے پکے نمازی اور باعمل تھے۔ اللہ کریم ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔

ان کی نماز جنازہ حضرت مولانا ابوبکر صدیق السلفی (صدر دارالدعوة السلفیہ) نے پڑھائی۔ بے شمار احباب جماعت اور عزیز واقارب جنازے میں شریک ہوئے۔ اراکین ادارہ مرحوم کے لواحقین سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ کریم انھیں صبر جمیل سے نوازے، آمین۔ (محمد سلیم چنیوٹی)

اظہار تشکر

۱۷ نومبر ۲۰۱۱ء بروز جمعرات محترم بشیر انصاری صاحب (مدیر اعلیٰ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور) کی قیادت میں ہمراہ رفقاء مرکزی دفتر (۱۰۶، راوی روڈ لاہور) دارالحدیث الجامعۃ الکملیۃ میں تشریف لائے۔ مدرسہ دارالحدیث اور اس کی وسیع لائبریری کا دورہ کیا۔ بندہ آثم رفقاء کرام کا تہ دل سے مشکور ہے کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر دارالحدیث میں قدم رنجہ فرمایا۔ تمام رفقاء مکتب کے لیے فلاح دارین کی دعائیں جاری ہیں۔ (طالب الدعوات: محمد یوسف راجووال، اوکاڑا)

توفیق الباری

”الادب المفرد“ للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات و فوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکول شالامار باغ۔ لاہور)

یعنی یہی حدیث ابن اسحاق سے دوسری سند سے آئی ہے۔
۱۱۳۶. عن أبي هريرة، عن النبي ﷺ قال:
(أهل الكتاب لا تبدؤهم بالسلام، واضطرهم
إلى أضييق الطريق.) (صحیح مسلم)
”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ
نے ارشاد فرمایا: ”اہل کتاب کو پہلے سلام نہ کہا کرو اور انھیں
تنگ راستے پر چلنے کے لیے مجبور کر دو۔“

باب: من سلم علی الذمی إشارةً

ذمی کو اشارے سے سلام کرنا

۱۱۳۷. عن علقمة قال: إنما سلم عبد الله
على الدهاقين إشارةً. (صحیح)
”حضرت علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے
غیر مسلموں کو اشارے سے سلام کہا تھا۔“

۱۱۳۸. عن أنس قال: مر يهودي على النبي ﷺ
فقال: السام عليكم، فرد أصحابه السلام،
فقال: ((قال: السام عليكم)) فأخذ اليهودي
فاعترف، قال: ((ردوا عليه ما قال.)) (صحیح)
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نبی کریم ﷺ
کے قریب سے گزرا تو اس نے ”السام علیکم“ (تم مر جاؤ)
کہا، آپ ﷺ کے صحابہ نے اسے ”السلام علیکم“ کہہ دیا۔
آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ”اس یہودی نے تو ”السام

باب: إذا كتب الذمی فسلم یرد علیہ

ذمی اگر خط میں سلام لکھے تو اسے کیسے جواب دیا جائے؟
۱۱۳۳. عن أبي عثمان النهدي قال: كتب أبو
موسى إلى دهقان يسلم عليه في كتابه. فقبل
له: أتسلم عليه وهو كافر! قال: إنه كتب إلي
فسلم علي فرددت عليه.

”حضرت ابو عثمان نہدی نے بیان کیا کہ حضرت ابو موسیٰ نے
ایک ذمی راہب کو خط لکھا تو اس میں سلام لکھا۔ ان سے کہا
گیا: آپ نے کافر کو سلام لکھا ہے! انھوں نے کہا: اس نے
مجھے سلام لکھا تھا تو میں نے بھی اس کا جواب لکھ دیا۔“

باب: لا يبدأ أهل الذمة بالسلام

ذمیوں کو پہلے سلام نہ کیا جائے

۱۱۳۴. عن أبي بصرة الغفاري، عن النبي ﷺ
قال: ((إنني راکب غدا إلى يهود فلا
تبدؤهم بالسلام، فإذا سلموا عليكم فقولوا:
وعليكم.)) (صحیح)

حضرت ابو بصرہ غفاری سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ
نے ارشاد فرمایا: ”میں کل صبح یہودیوں کے پاس جاؤں گا، تم
لوگ ان کو پہلے سلام نہ کرنا۔ اگر وہ پہلے سلام کہہ دیں تو تم
”وعلیکم“ کہنا۔“

۱۱۳۵. عن ابن إسحق مثله وزاد:

سمعت النبي ﷺ .

سعد بن عبادہ، حتیٰ مر بمجلس فیہ عبد اللہ بن اُبی بن سلول۔ وذلك قبل أن یسلم عدو اللہ۔ فإذا فی المجلس أخلاط من المسلمین والمشرکین وعبدۃ الأوثان فسلم علیہم۔

(صحیح البخاری)

”حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک ایسے گدھے پر سوار ہوئے جس کے پالان پر مذک کی بنی چادر تھی۔ اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ آپ ﷺ سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں آپ ﷺ کا ایسی مجلس سے گزر ہوا جس میں عبد اللہ بن ابی بن سلول منافقوں کا سردار موجود تھا۔ یہ دشمن اسلام ابھی ظاہری طور پر مسلمان نہیں ہوا تھا تو اس مجلس میں مسلمان، مشرک اور بت پرست سب اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سب کو سلام کہا۔“

باب: کیف یکتب إلى أهل الكتاب؟

اہل کتاب کو خط کس طرح لکھا جائے؟

۱۱۴۲۔ أن عبد اللہ بن عباس أخبرہ، أن أبا سفيان بن حرب أرسل إليه هرقل ملك الروم، ثم دعا بكتاب رسول الله ﷺ الذي [أرسل به] مع دحية الكلبي إلى عظيم بصرى فدفعه إلى هرقل فقرأه فإذا فيه: ((بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله ورسوله إلى هرقل عظيم الروم. سلام على من اتبع الهدى، أما بعد. فإني أدعوك بدعاية الإسلام، أسلم تسلم يؤتك الله أجرك مرتين، فإن توليت فإن عليك إثم الأريسيين)) و﴿يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة

عليكم﴾ کہا تھا، چنانچہ اس یہودی کو پکڑ کر لایا گیا تو اس نے اعتراف کر لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم بھی اس کو السلام علیکم، کہہ دو۔“

باب: كيف الرد على أهل الذمة؟

اہل ذمہ کو ان کے سلام کا کیسے جواب دیا جائے؟

۱۱۳۹۔ عن عبد اللہ بن عمر أنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((إن اليهود إذا سلم عليكم أحدهم، فإنما يقول: السلام عليك، فقولوا: وعليك.)) (صحیح البخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہودی جب بھی تمہیں سلام کہیں گے تو ”السلام علیکم، کہیں گے، لہذا تم ان کے جواب میں ”وعلیک“ کہہ دیا کرو۔“

۱۱۴۰۔ عن ابن عباس قال: ردوا السلام على من كان يهوديا أو نصرانيا أو مجوسيا، ذلك بأن الله يقول: ﴿وَإِذَا حَيَّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوها﴾ [النساء: ۸۶] (صحیح) ”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سلام کا جواب دو اگرچہ سلام کرنے والا یہودی ہو یا نصرانی ہو یا مجوسی ہو، اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جب تمہیں کوئی سلام کہے تو اسے اس سے بہتر طریقے سے جواب دو یا وہی لوٹا دو۔“

باب: التسليم على مجلس فيه المسلم والمشرک

جس مجلس میں مسلمان اور مشرک دونوں موجود ہوں وہاں

کیسے سلام کرے

۱۱۴۱۔ أن أسامة بن زيد أخبره، أن النبي ﷺ ركب على حمار عليه إكاف على قطيفة فدكية، وأردف أسامة بن زيد وراءه، يعود

سواء بیننا و بینکم۔ إلى قوله۔ اشهدوا بأننا مسلمون ﴿[آل عمران: ۶۴]﴾ (صحیح البخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے ابوسفیان بن حرب کو پیغام بھیج کر بلایا، پھر رسول اللہ ﷺ کا وہ خط منگوایا جو آپ ﷺ نے اپنے صحابی دحیہ کلبی کے ہاتھ بصری کے گورز کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ ہرقل کے پاس بھیج دے، چنانچہ اس نے ہرقل کو وہ خط پہنچا دیا تو اس نے کھول کر خط کو پڑھنا شروع کیا، اس میں یہ مضمون تھا: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد ﷺ کی طرف سے ہرقل کی طرف جو ایک بڑا آدمی ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی تابعداری کرے۔ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لے، تو سلامت رہے گا۔ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ اگر تم نہ مانے اور روگردانی کی تو تمام لوگوں کا، جو تیرے تابع ہیں، گناہ تجھ پر ہوگا۔“ اور یہ آیت بھی تحریر فرمائی: ”آپ فرما دیجیے کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو رب نہ قرار دے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، پھر اگر وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔“

باب: إذا قال أهل الكتاب: السام عليكم

جب اہل کتاب السام علیکم کہیں تو ان کو کیا جواب دے؟

۱۱۴۳۔ أنه سمع جابرا يقول: سلم ناس من اليهود على النبي ﷺ فقالوا: السام عليكم، قال: ((وعليكم)) فقالت عائشة رضي الله عنها - وغضبت -: ألم تسمع ما قالوا؟ قال: ((بلى، قد رددت عليهم، نجاب عليهم ولا

يجابون فينا.)) (صحیح مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یہودیوں میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو ”السام علیکم“ (تم پر موت ہو) کہا، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ”علیکم“، یعنی تم پر بھی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غصہ میں آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: آپ ﷺ نے سنا نہیں جو کچھ انھوں نے کہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، میں نے سنا ہے، میں نے وہ الفاظ انھیں پر لوٹا دیئے ہیں۔ ہماری بد دعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بد دعا ہمارے حق میں قبول نہیں ہوگی۔“

باب: يضطر أهل الكتاب في الطريق إلى أضيقتها

اہل کتاب کو بہت تنگ راستے کی طرف مجبور کر دو

۱۱۴۴۔ عن أبي هريرة، عن النبي ﷺ قال: ((إذا لقيتم المشركين في الطريق فلا تبدواهم بالسلام، واضطروا هم إلى أضيقتها.))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم راستے میں مشرکین سے ملو تو ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور ان کو بہت تنگ راستے کی طرف جانے پر مجبور کر دو۔“



ضرورت مدرس

۱: مدرسہ دارالعلم والحکمہ اسلامیہ پارک، چوہدری لاہور میں ایک مدرس کی فوری ضرورت ہے۔ جو درس نظامی وحفظ القرآن کی کلاسز پڑھاسکے۔

۲: ایک معلمہ کی ضرورت ہے جو بچیوں کو درس نظامی کی تعلیم دے سکے۔ (قاری ابوسفیان۔ فون 0305-4070381)

☆ رقم کے عوض مکان گروی لے کر اس سے فائدہ اٹھانا؟

☆ مروجہ مجالس ذکر

مولانا مفتی محمد عبید اللہ عقیف (بانی مسجد امیہ العزیز اہل حدیث، رحمت ٹاؤن، فیصل آباد)

باعھا حتیٰ بلغ ثمنھا ثلاثة عشر درهماً، فقال ابن عباس: لا تأخذ منه إلا سبعة دراهم. (السنن الكبرى للبيهقي: ۳۴۹/۵، التحقيق لابن الجوزي: ۲۷/۳، إرواء الغلیل: ۲۳۴/۵ وقال الألبانی: إسناده صحيح)

”ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک ایسے مقروض آدمی کے متعلق سوال ہوا جو کسی آدمی کا بیس درہم میں مقروض تھا۔ وہ اپنے قرض دہندہ کو کبھی کبھی تحفہ پیش کرتا تھا۔ جب وہ تحفہ بھیجتا تو یہ قرض دہندہ اس تحفے کو فروخت کر دیتا یہاں تک کہ مقروض کے تحائف سے حاصل شدہ قیمت ۱۳ درہم کو پہنچ گئی۔ اس قرض دہندہ نے اس رقم (۱۳ درہم) کے بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ اب صرف سات درہم کے مستحق ہیں۔“ (یعنی تحائف کی صورت میں ۱۳ درہم وصول کر چکے ہو۔ اور اگر بیس درہم سے زائد وصول کرو گے تو وہ سود ہوگا اور سود حرام ہے۔)

ان احادیث سے صاف معلوم ہوا کہ ہر وہ قرض جو تحفوں کی صورت میں منفعت کا باعث ہو، حرام ہے۔

۳۔ قال أبو بردة رضي الله عنه: قدمت المدينة فلقيت عبد الله بن السلام فقال: انطلق معي المنزل فأسقيك في قدح شرب فيه رسول الله ﷺ وتصلني في مسجد صلي فيه، فانطلقت معه فسقاني سويقاً وأطعمني تمرًا وصليت في مسجده، فقال: إنك في أرض، الربا فيها

سوال: رقم کے عوض مکان گروی لینا اور اس سے ایک مخصوص مدت تک فائدہ اٹھانا، پھر مخصوص مدت کے بعد اپنی رقم واپس لے لینا اور مکان واپس کر دینا شرعاً جائز ہے؟ مکان گروی لینے والا اس مکان کو آگے کرایہ پر دے سکتا ہے؟ کرایہ کی رقم کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ تفصیلی جواب سے نوازیں۔ (ایک سائل)

جواب: صورتِ مسئلہ خالص سود پر مبنی ہے کیونکہ احادیث میں ہے کہ ہر وہ قرضہ جو اپنے ساتھ نفع لائے وہ سود ہے۔ احادیث یہ ہیں:

۱۔ عن سالم بن أبي الجعد قال: كان لنا جار سماك عليه لرجل خمسون درهما، فكان يهدي إليه السمك، فأتي ابن عباس فسأله عن ذلك، فقال: قاصه بما أهدى إليك.

(السنن الكبرى للبيهقي: ۳۵۰/۵)

”سالم بن ابی جعد کہتے ہیں: ہمارا ایک پڑوسی ماہی گیر تھا۔ اس پر ایک آدمی کے پچاس درہم قرض تھے۔ وہ ماہی گیر اپنے قرض خواہ کو روزانہ ایک مچھلی بطور تحفہ دیتا رہا تو اس قرض خواہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ پوچھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وصول شدہ مچھلی کی قیمت لگا لو، اگر وہ پچاس تک پہنچ گئی تو تمہارا قرضہ وصول ہو چکا۔“ (یعنی اگر مزید وصول کرو گے تو وہ سود ہی ہوگا۔)

۲۔ عن أبي صالح عن ابن عباس أنه قال في رجل كان له على رجل عشرون درهما فجعل يهدي إليه، وجعل كلما أهدى إليه هدية

فاش، وإن من أبواب الربا أن أحدكم يقرض القرض إلى أجل فإذا بلغ أتاها به وبسلة فيها هدية فاتق تلك السلة وما فيها.

(رواه البيهقي في السنن الكبرى: ۳۴۹/۵)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ گیا تو وہاں میری ملاقات عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ کہنے لگے: آئیے! گھر چلتے ہیں، میں آپ کو ایک ایسے پیالے میں کچھ پینے کو دوں گا جس سے رسول اللہ ﷺ نے خود بھی پیا تھا۔ (مزید برآں) آپ کو ایسی جگہ نماز پڑھنے کا موقع میسر آئے گا جس میں آپ ﷺ نے بھی نماز ادا فرمائی تھی، چنانچہ میں ان کے ساتھ چل دیا۔ انھوں نے کھجور اور ستو کے ساتھ میری تواضع کی اور میں نے اسی جگہ نماز بھی پڑھی۔ وہ (عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ) فرمانے لگے: آپ اس وقت ایسی جگہ میں ہیں جہاں سود عام ہے۔ اور بے شک سود کے دروازوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک شخص دوسرے کو مقررہ مدت تک قرض دیتا ہے، پس مقرض آدمی جب ادائیگی قرض کے لیے اس کے پاس آتا ہے تو اصل رقم کے ساتھ ایک ٹوکری بھی اٹھاتا ہے جس میں اس کے لیے تحفہ ہوتا ہے (اور یہ سود ہے۔) پس اس ٹوکری سے اور جو کچھ اس میں ہے، اس سے بچ جاؤ۔“

سوال: مندرجہ ذیل حدیث سے کون سی مجلس مذاکرہ مراد ہے؟ اس پر عمل کیسے کیا جائے؟ مفتیان کرام سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اس حدیث کا تسلی بخش جواب دیں۔ کیا ہم اہل حدیث بھی کوئی ایسی مجلس ذکر منعقد کرتے ہیں اور اگر کرتے ہیں تو وہ کون سی ہے؟ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں جو راستوں میں پھرتے رہتے ہیں اور ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش

کرتے ہیں۔ جب وہ ایسے لوگوں کو پالیتے ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہوتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں: آؤ اپنی حاجت کی طرف! پھر فرشتے ان اللہ کا ذکر کرنے والوں کو آسمان دنیا تک اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں۔“ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ان فرشتوں سے ان کا رب پوچھتا ہے، حالانکہ وہ اُن سے بہت زیادہ جانتا ہے، میرے بندے کیا کہہ رہے تھے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”فرشتے جواب دیتے ہیں: وہ تیری تسبیح، تیری بڑائی، تیری تعریف اور تیری بزرگی بیان کر رہے تھے۔“..... آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے انھیں بخش دیا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض گزار ہوتا ہے کہ ان ذکر کرنے والوں میں ایک آدمی ایسا تھا جو کہ ذکر اللہ کی غرض سے نہیں آیا تھا بلکہ اپنے کسی کام سے آیا تھا (کیا اسے بھی بخش دیا؟) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ہاں، اُسے بھی بخش دیا کیونکہ) میرا ذکر کرنے والے (ایسے عظیم المرتبت) لوگ ہیں کہ ان میں بیٹھنے والا بھی میری مغفرت سے محروم نہیں رہتا۔ (صحیح بخاری)

حدیث مذکورہ بالا کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس میں تسبیح، بڑائی، تعریف اور رب کائنات کی بزرگی بیان ہوتی ہے۔ اس مجلس میں جنت مانگنا اور جہنم سے پناہ مانگنا مذکور ہے۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو جنت کی حرص اور جہنم سے دور بھاگتے ہیں (یعنی مسلمان ہیں)۔

وہ ایسی مجلس ہے جو ساری کی ساری بخش دی جاتی ہے۔ ایک ایسا آدمی بھی بخش دیا گیا جو اس مجلس میں سر راہ بیٹھ گیا تھا وہ بھی بخش دیا گیا۔

یہ مجلس جمعۃ المبارک نہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے اجتماعات نہیں۔ خطبہ حج بھی نہیں تو پھر یہ کون سی مجلس ہے جس میں یہ سب کچھ ہو؟ یا پھر بازار اور چوک میں کوئی جلسہ، کانفرنس یا کوئی سالانہ اجتماع مراد ہے؟ راینونڈ میں بھی ایسا اجتماع ہوتا ہے۔ ایسی مجلس ہر روز ہونی چاہیے۔ ہفتہ وار یا ماہانہ یا سالانہ رات یا دن کب اور کیسی ہونی

چاہیے، یہ علماء کرام ہی بتا سکتے ہیں، یہ کون سی بابرکت مجلس فکر ہے جس کا حدیث میں ذکر ہے؟

(العبد: حافظ محمد اسحاق، خانقاہ ڈوگر اس)

جواب: اس مجلس سے کوئی خاص مجلس مراد نہیں بلکہ ہر وہ مجلس مراد ہے جس میں کسی نہ کسی طرح ذکر الہی ہو رہا ہو اور اللہ کی عبادت ہو رہی ہو، جیسے مجلس تدریس، علمی اور دینی علوم پر مبنی مذاکرہ، قرات قرآن اور لا الہ الا اللہ کا ذکر وغیرہ۔ علامہ قسطلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”وہی تشتمل جميع أنواع العبادات من دراسة

علم ومذاكرته، وقرأة القرآن، وذكر وتهليل

وغیرھا، فہی مجالس النور والحیاء۔ واللہ

أعلم۔“ (حاشیۃ الأحادیث القدسیۃ، ص: ۱۸)

یعنی ذکر کی اس مجلس سے کوئی خاص وقت اور خاص ذکر پر مشتمل مجلس مراد نہیں بلکہ اس سے مراد ہر وہ مجلس ہے جن میں کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو رہی ہو، خواہ وہ قرآن وحدیث کی تدریس کی مجالس ہوں یا علمی مذاکرہ کی مجلس یا قرات قرآن اور ذکر و فکر کی مجلس اور افضل ذکر لا الہ الا اللہ کی مجلس ہو۔ شرکائے مجلس کی نہ معین تعداد مطلوب ہے اور نہ خاص کیفیت کی ضرورت۔

یاد رہے عبادت اور ذکر الہی کو اپنے اطلاق پر استور رکھنا ضروری ہے، ورنہ اپنی طرف سے کسی خاص کیفیت، خاص وقت اور خاص ذکر کی قید لگانے سے وہ مسنون عبادت اور ذکر بدعت بن جاتا ہے۔ جیسا کہ سنن دارمی میں ہے کہ کچھ لوگ کوفہ کی جامع مسجد میں سحری کے وقت حلقہ بنا کر کنکریوں پر سبحان اللہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ سوسو مرتبہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان ذاکرین کو ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا تھا:

”فعدو اسیئاتکم، فأنا ضامن أن لا یضیع من

حسناتکم شیء، ویحکم یا أمة محمد! ما

أسرع هلكتکم، هؤلاء صحابة نبیکم

متوافرون، وهذا ثیابہ لم تبیل وأنیتہ لم تکسر
أو مفتتحي باب ضلالة!“

(مسند دارمی، ص: ۳۸، فتاویٰ محمدیہ: ۱/۲۸۷)

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کرو، میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ افسوس تم پر اے امت محمدیہ! تم کتنی جلدی ہلاکت میں پڑ گئے ہو۔ ابھی تم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہ کثرت حیات ہیں۔ ابھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور ان کے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ کیا تم ایسا کر کے گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو!“

اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ نے چاشت کی نماز کو بدعت کہا تھا جب وہ اسے باجماعت ادا کر رہے تھے۔ اس طرح کے اور بھی صحیح واقعات ہیں جنہیں اختصار کے پیش نظر قلم انداز کیا جاتا ہے۔ لعل فیہ کفایۃ لمن له أدنی درایۃ۔

ان دونوں واقعات سے ثابت ہوا کہ جو عبادات اور اطاعات شرع میں جس طرح منقول ہوں ان کو اسی طرح ادا کرنا چاہیے، یعنی اس کو اس کی شریعت میں مذکور صورت پر قائم رکھنا چاہیے۔ اگر اس مطلق عبادت اور اطاعت کو مقید کیا جائے گا یا غیر موقت کو موقت بنایا جائے گا یا غیر معین کو معین کر لیا جائے گا تو وہ عبادت اور اطاعت بدعت بن جائے گی، لہذا ذکر کی مروجہ مجلسیں بدعت ہیں اور ان میں شرکت سے گریز ہی بھلا۔ هذا ما عندي واللہ أعلم۔

ضرورتِ رشتہ

۲۵ سالہ ایم بی اے لڑکی کے لیے ہم پلہ لڑکے کا رشتہ درکار

ہے۔ ترجیحاً ارائیں برادری۔

(ا۔ ب معرفت ہفت روزہ الاعتصام، شیش محل روڈ۔ لاہور)

مسند الإمام أبي حنيفة للحارثي

ایک تجزیہ و تبصرہ

مولانا ارشاد الحق اثری (ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد)

بیان کرتا تھا۔ اسی بنا پر احادیث بیان کرنے میں اس سے خطا ہو جاتی تھی۔ نیز انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کی بہت سی احادیث مستقیم ہیں، بعض مناکیر ہیں اور بعض سرقہ ہیں۔ مولانا قاسمی صاحب نے ایک اور مقام پر فرمایا ہے کہ شاذ کوئی ضعیف ہے۔

(مسند : ۱/۳۵۸، ۲/۶۱۷، ۳/۷۵۳)

ان کی اس رائے کے بارے میں کچھ کہنے کی بجائے ہم یہاں ترجمان مسلک دیوبند مولانا محمد سرفراز صفدر مرحوم کے الفاظ ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”امام بخاری فرماتے ہیں: فیہ نظر، ابن معین نے اس کو حدیث میں جھوٹا کہا، ابوحاتم اس کو متروک الحدیث اور نسائی لیس بثقة کہتے ہیں اور صالح جزرہ فرماتے ہیں: کان یکذب فی الحدیث ”حدیث میں جھوٹ کہتا تھا“ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ شراب پیتا اور بیہودہ حرکتوں میں آلودہ تھا اور نیز فرمایا کہ درب دمیک میں شاذ کوئی سے بڑا جھوٹا اور کوئی داخل نہیں ہوا۔ بغوی فرماتے ہیں: ”رماہ الأئمة بالکذب“ ”ائمہ حدیث نے اس کو جھوٹ سے متہم کیا ہے۔“ اور امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ”کان یضع الحدیث“ ”وہ جعلی روایتیں بنایا کرتا تھا۔“ امام ابوالاحمد الحاکم اس کو ”متروک الحدیث“ اور امام ابن مہدی اس کو خائب اور نامراد کہتے تھے۔ امام عبدالرزاق نے اس کو عدو اللہ، کذاب اور خبیث کہا اور صالح جزرہ کہتے ہیں کہ آناً سندیں گھڑ لیتا تھا اور صالح بن محمد نے یہ بھی فرمایا

امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ کا مناظرہ:

اسی نوعیت کی ایک مثال اور دیکھ لیجیے، چنانچہ استاذ حارثی نے ”محمد بن ابراہیم بن زیاد الرازی حدثنا سلیمان الشاذکونی“ سے امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ کے مابین رفع الیدین کے موضوع پر باہمی گفتگو ذکر کی ہے۔ یہ گفتگو بہت سے حنفی اکابرین اپنی تصانیف میں ذکر کرتے ہیں مگر اس کا اصل ماخذ یہی استاذ حارثی ہیں۔ مولانا قاسمی صاحب نے بھی لکھا ہے: ”هذا الأثر لم يروه إلا حارثي.“ اور اسی اثر کے بارے میں قاسمی صاحب رقمطراز ہیں:

”فیہ سلیمان الشاذکونی، سئل صالح بن محمد جزرة عن الشاذکونی فقال: ما رأيت أحفظ منه إلا أنه يكذب في الحديث، وقال ابن عدي: سألت عبدان عنه فقال: معاذ الله أن يتهم، إنما كان قد ذهب كتبه، فكان يحدث حفظاً.“ (مسند الحارثي: ۱/۴۸۴)

”اس میں سلیمان شاذکونی ہے، صالح جزرہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: میں نے اس سے زیادہ حافظ کسی کو نہیں دیکھا مگر وہ حدیث میں جھوٹ بولتا ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں: میں نے عبدان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: اللہ کی پناہ کہ اسے متہم قرار دیا جائے، اس کی کتابیں ضائع ہو گئی تھیں تو وہ زبانی احادیث بیان کرتا تھا۔“

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے بلاشبہ حافظ عبدان کے قول کو ترجیح دی ہے کہ وہ متہم نہیں ہے، اس کی کتابیں ضائع ہو گئی تھیں، زبانی احادیث

ہے کہ وہ کذب اور لوٹے بازی سے متہم تھا۔“

(أحسن الكلام: ۲۰۴/۱)

قارئین کرام ان الفاظ جرح کے بعد فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ شاذ کوئی ”ضعیف“ ہے یا اس سے اوپر کے درجے میں یعنی متروک یا کذاب ہے۔ حافظ ذہبی نے المغنی (۲۷۹/۱) اور دیوان الضعفاء (ص: ۱۳۱) میں اسے ذکر کیا ہے اور امام ابن معین، امام بخاری اور امام ابو حاتم کی شدید جرح نقل کر کے اس کی پوزیشن واضح کر دی ہے۔ علامہ حلبی نے اسے الکشف الحثیث (ص: ۱۹۹) میں ذکر کر کے اس کے وضاع ہونے کا اظہار کیا ہے۔

علامہ علی نے فرمایا ہے کہ استاد حارثی کی بعض چیزوں کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ وہ اس کی خود ساختہ ہیں، جیسے امام ابو حنیفہ کا ”سمتی“ کو وصیت نامہ اور امام اوزاعی کے ساتھ امام ابو حنیفہ کا مناظرہ۔ (حاشیة الفوائد المجموعة، ص: ۱۴)

اس میں محمد بن ابراہیم الرازی بھی ہے:

علامہ قاسمی صاحب نے یہ تو اعتراف کیا ہے کہ اس میں شاذ کوئی ضعیف ہے۔ مگر یہ نہیں بتلایا کہ اس کا شاگرد اور استاد حارثی کا استاد محمد بن ابراہیم بن زید رازی بھی اس میں پایا جاتا ہے اور وہ کیسا ہے، ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ امام دارقطنی نے اسے متروک، دجال اور وضاع قرار دیا ہے۔ ایسے راوی سے خاموشی کیا مجرمانہ غفلت نہیں؟

ایک اور علت:

یہی نہیں کہ امام اوزاعی اور امام ابو حنیفہ کے مابین ہونے والے اس مناظرے کی سند میں محمد بن ابراہیم متروک، کذاب اور سارق الحدیث ہے اور اس کا استاد شاذ کوئی بھی کذاب اور وضاع ہے بلکہ امام اوزاعی کا امام ابو حنیفہ سے سماع ہی صحیح نہیں، چنانچہ امام عبد اللہ بن محمد فرماتے ہیں:

”حدثني أبي قال: حدثنا مكسين قال: حدثنا

الأوزاعي قال سئل أبو حنيفة، قال أبي: لم

يسمع الأوزاعي عن أبي حنيفة شيئاً.“

(العلل ومعرفة الرجال: ۱۵۹/۳، رقم: ۴۸۴۲)

”مجھے میرے والد (امام احمد) نے بتلایا، انھوں نے فرمایا: مجھے مسکین بن بکیر نے حدیث سنائی، اس نے کہا کہ مجھے اوزاعی نے حدیث سنائی کہ امام ابو حنیفہ سے سوال کیا گیا۔ (یہ سن کر) میرے والد صاحب نے فرمایا: اوزاعی نے ابو حنیفہ سے کچھ بھی نہیں سنا۔“

ظاہر ہے کہ جب امام اوزاعی نے امام ابو حنیفہ سے کچھ سنا ہی نہیں تو مسکین بن بکیر یہ کیسے کہتے ہیں کہ امام اوزاعی نے کہا کہ امام ابو حنیفہ سے سوال کیا گیا، یعنی دونوں کے مابین واسطہ ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام اوزاعی کا امام ابو حنیفہ سے سماع نہیں مگر افسوس کہ کذاب اور وضاع راویوں نے دونوں کے مابین تقریب پیدا کر دی اور باقاعدہ ایک مناظرے کی روداد بنا ڈالی۔ اگر اس مناظرے کی کوئی حقیقت ہوتی تو امام محمد، قاضی ابو یوسف اور امام طحاوی اس سے بے خبر نہ ہوتے۔ اس کا انکشاف سب سے پہلے استاذ حارثی پر ہوا۔ جس کا اعتراف قاسمی صاحب کو بھی ہے کہ ”لم يروه إلا الحارثي“ اور خود حارثی کی پوزیشن آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

ایک حقیقت کا اعتراف:

استاذ حارثی نے اس مناظرے کے آخری الفاظ یوں ذکر کیے ہیں: ”وعبد الله عبد الله سكت الأوزاعي.“ ”عبد الله (بن مسعود) عبد الله ہیں، اس پر اوزاعی خاموش ہو گئے۔“ مگر جامع المسانید میں آخری الفاظ یوں ہیں:

”وعبد الله، عبد الله بن مسعود، له فضل

كثير في الفقه والقراءة وحق الصحبة من

صغره عند النبي ﷺ على عبد الله بن عمر،

فسكت الأوزاعي.“ (جامع المسانید: ۳۵۳/۱)

جامع المسانید کے محقق حسن نعمانی صاحب فرماتے ہیں کہ مسند

حصکفی میں تو یہی الفاظ ہیں: ”وعبد الله، عبد الله، فسكت

الأوزاعي.“، نیز ملاحظہ ہو: مسند حصکفی مع شرح القاری ص: ۳۷

مگر یہ زیادت میں نے اس کی کتاب کے دونوں میں پائی ہے۔

ان کے الفاظ ہیں:

”والزيادة على ذلك وجدت في نسختين من هذا الكتاب.“

مولانا عثمانی یہی تفصیل بیان کر کے فرماتے ہیں:

”لم توجد هذه الزيادة في النسخ التي اعتمدت عليها في تحقيق الكتاب، فهذه الزيادة ليس لها أساس..... إلخ“ (مسند: ۱/۴۸۴)

”یہ زیادت ان نسخوں میں بھی نہیں جن پر میں نے کتاب کی تحقیق میں اعتماد کیا ہے، لہذا اس زیادت کی کوئی بنیاد نہیں۔“

عرض ہے کہ جس طرح جامع المسانید کے بعض نسخوں میں یہ زیادت کسی سمجھدار نسخ کی شرارت و جسارت ہے ہمارے نزدیک تو بالکل اسی طرح امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ کے مابین مناظرے کی یہ روداد ہی کذاب و وضاع راویوں کی جسارت ہے۔

بلکہ معنوی طور پر اس مناظرے میں کوئی معقولیت نہیں۔ ایک بدیہی بات ہے کہ رفع الیدین حسی اور عملی ہے۔ یہاں فقہات راوی نہیں ضبط راوی کی ضرورت ہے۔ مناظرے میں امام ابوحنیفہ سے یہ بات منسوب ہوئی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

”لم يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه شيء.“

”رفع الیدین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں۔“

امام اوزاعی نے ثبوت پیش کیا تو اس کے ثبوت کا انکار امام صاحب نے نہیں کیا بلکہ رفع الیدین نہ کرنے کے بارے میں روایت ذکر کر کے دونوں میں ترجیح کی کوشش کی ہے۔

غور فرمائیے کیا یہ اسلوب اس بات کا مشعر نہیں کہ امام صاحب کا جواب ان کے دعوے کے مطابق نہ تھا کیونکہ انھوں نے رفع الیدین کے ثبوت میں کلام نہیں کیا بلکہ اسے تسلیم کر کے دو روایتوں میں ترجیح کو اختیار کیا ہے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم نے حسن البیان میں اس مناظرے پر معنوی اعتبار سے بڑی تفصیل سے نقد کیا

ہے۔ شائقین اس کی مراجعت کریں ان شاء اللہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔ ہمارا ادعا تو یہ ہے کہ استاذ حارثی کی روایت سے مناظرے کی یہ روداد نہ سنداً قابل اعتبار ہے اور نہ ہی معنأً اس میں کوئی معقولیت ہے۔ مولانا قاسمی نے سلیمان شاذکونی کو ضعیف تو کہا مگر اس کے شاگرد محمد بن ابراہیم سے بالکل تعرض نہیں کیا جو قطعاً قرین انصاف نہیں۔

یہ تو مولانا لطیف الرحمن قاسمی صاحب کی تحقیقات کا ایک پہلو تھا۔ اب اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ملاحظہ فرمائیں کہ استاذ حارثی نے ایک حدیث ”أحمد بن أبي طيبة عن أبي حنيفة عن عكرمة عن ابن عباس“ کی سند سے بیان کی ہے کہ ”سید الشهداء يوم القيامة حمزة.“ اس کی تخریج میں جناب قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ طبرانی اوسط میں یہ روایت ”الحسن بن رشيد عن أبي حنيفة به“ کی سند سے ہے اور علامہ پیشی نے مجمع الزوائد (۷/۲۶۷، ۹/۲۶۸) میں کہا ہے:

”فيه شخص ضعيف في الحديث.“

”اس میں ایک شخص ہے جو حدیث میں ضعیف ہے۔“

قاسمی صاحب اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

”قلت: أسلوبه يدل على أنه يقصد به الإمام أبا حنيفة رحمه الله، فلو كان هذا فهو مما يطعن به.“ (مسند: ۱/۱۸۲، رقم: ۱۲۴)

”علامہ پیشی کا اسلوب بتلاتا ہے کہ شخص ضعیف سے ان کا مقصود امام ابوحنیفہ ہیں، اگر یہ اسی طرح ہے تو وہ اس وجہ سے خود باعث طعن ہیں۔“

یہاں دو باتیں وضاحت طلب ہیں:

اولاً: علامہ پیشی کا مقصود ضعیف شخص کون ہے، علامہ قاسمی صاحب اس میں متردد ہیں مگر حقیقت الامر یہی ہے کہ اس سے مقصود امام ابوحنیفہ ہی ہیں۔ اور یہی ایک مقام نہیں اور مقامات پر بھی علامہ پیشی نے ان کے ضعیف ہونے کا اشارہ کیا ہے، چنانچہ اسی مسند

الامام ابی حنیفہ (۳۲۰/۱، رقم: ۴۰۳) میں ایک روایت ”من صلی بعد العشاء أربع رکعات إلخ“ کے الفاظ سے مذکور ہے۔ علامہ قاسمی صاحب نے اس کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ یہ طبرانی کبیر میں ہے اور علامہ بیہقی نے مجمع (۳۲۱/۲) میں کہا ہے: ”فیہ من ضعف الحدیث۔“ یہ روایت طبرانی کبیر (رقم: ۳۸۰۰) اور اوسط (رقم: ۵۲۳) میں ہے۔ اس روایت کے سب راوی ثقہ و صدوق ہیں۔ صرف امام صاحب میں کلام ہے۔ علامہ بیہقی نے مجمع (۲۴۱، ۲۴۰/۲) میں بھی یہ روایت ذکر کی ہے اور کہا ہے: ”فی إسنادہ ضعیف غیر مہتمم بالکذب۔“ یہی روایت امام ابو نعیم نے بھی مسند ابی حنیفہ (رقم: ۳۲۲) میں ذکر کی ہے بلکہ قاضی ابویوسف نے کتاب الآثار (رقم: ۴۱۴) اور امام محمد شیبانی نے بھی کتاب الآثار (رقم: ۱۱۱) میں اور علامہ خوارزمی نے جامع المسانید (۳۹۵/۱) میں اسے ذکر کیا ہے۔ امام ابو نعیم اور امام طبرانی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے تنہا محارب بن دثار اور ان سے تنہا ابو حنیفہ روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح مسند الامام ابی حنیفہ (۳۰۱/۱، رقم: ۳۷۰) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ”لقد کن فی خلال سبع إلخ“ جسے استاذ حارثی نے ”محمد بن الفضل بن عطیة ثنا النعمان بن ثابت عن الشعبي عن عائشة“ کی سند سے روایت کیا ہے۔ علامہ قاسمی اس سند کے بارے میں خاموش ہیں، البتہ طبرانی کبیر (۳۰/۲۳، رقم: ۷۵) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس میں یہ ”عبداللہ بن بزیع عن أبي حنیفة عن أبي إسحاق الشیبانی عن عامر الشعبي عن مسروق عن عائشة“ کی سند سے ہے اور علامہ بیہقی نے مجمع (۲۴۲/۹) میں کہا ہے: ”فیہ من ضعف“ یہاں امام ابو حنیفہ کے علاوہ عبداللہ بن بزیع بھی ضعیف ہے، اس لیے حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ علامہ بیہقی کا اشارہ کس کی جانب ہے۔ تاہم دونوں اسانید میں فرق بالکل نمایاں

ہے اور اس کا دار و مدار امام ابو حنیفہ پر ہے۔ استاذ حارثی نے ایک حدیث ”أبو حنیفة عن علقمة بن مرثد عن ابن بريدة عن أبيه“ کی سند سے بیان کی ہے۔ (۶۱۶/۲، ۶۱۷، رقم: ۹۹۵) علامہ قاسمی اس کی تخریج میں فرماتے ہیں: امام احمد نے مسند (۳۵۷/۵) میں اس کی تخریج کی ہے اور امام عبداللہ بن احمد نے کہا ہے: والد گرامی امام احمد نے اسے اسی طرح ”أخبرنا أبو فلافة“ کے الفاظ سے روایت کیا ہے اور عمداً نام نہیں لیا۔ ان کے علاوہ دوسرے شیوخ نے نام لیا ہے اور ابو حنیفہ کہا ہے۔ یہی روایت علامہ بیہقی نے مجمع (۱۶۶/۱) میں ذکر کی ہے اور کہا ہے: ”رواه أحمد وفيه ضعف، ومع ضعفه لم يسم۔“ ”اسے احمد نے روایت کیا ہے، اس میں ضعف ہے اور اس ضعف کے ساتھ ساتھ اس کا نام نہیں لیا۔“

علامہ بیہقی کے اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس وضاحت کے بعد اس میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں رہتی جس کا اظہار مسند حارثی (۱۸۲/۱) کے حاشیے میں کیا گیا ہے۔

ثانیاً: اگر امام ابو حنیفہ کو ”ضعیف“ کہنے کے نتیجے میں علامہ بیہقی خود ”ضعیف“ ہونے کے حق دار ہیں تو یہ جرم تنہا علامہ بیہقی کا نہیں، امام احمد کا بھی ہے جنہوں نے ان کے واسطے سے روایت بیان کی مگر نام نہیں لیا۔ اور علامہ بیہقی نے کہا ہے: ”ضعف کے باوجود ان کا نام نہیں لیا۔“ تو کیا یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ اس جسارت کے نتیجے میں امام احمد بھی ضعف کے حقدار ٹھہرے ہیں؟ امام احمد کے علاوہ امام عبداللہ بن مبارک، امام اعلیٰ بن مدینی، امام بخاری، امام نسائی، ابن حبان، ابوالاحمد الحاکم، ابن سعد، دارقطنی، ابوالسحاق فزاری، حمیدی، دارمی، ابوالحاکم، خطیب بغدادی، ابوعبدالرحمن المقرئ وغیرہم متعدد ائمہ محدثین رحمہم اللہ بھی اسی ”جرم“ کی پاداش میں ضعف کے حقدار ہیں؟ علامہ قاسمی کے زاویہ فکر کو سمجھنے کے لیے یہ چند مثالیں کافی ہیں اور اسی سے ان کی تحقیق انیق کی حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔

عاشوراء کا روزہ

حافظ بلال اشرف اعظمی، مدرس جامعہ اسلامیہ سلفیہ، بورے والا

(صحیح مسلم: ۱۱۶۲)

”یہ گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔“
عاشوراء کا دن بڑی تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ زمانہ قدیم سے اس کی تعظیم بجالاتے ہوئے روزہ رکھنے کا رواج تھا۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ خود بھی اس دن کا روزہ رکھتے اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیتے، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ ﷺ نے عاشوراء کے روزے میں اختیار دیتے ہوئے فرمایا: ”جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے اور جو چاہے اسے چھوڑ دے۔“ (صحیح مسلم: ۱۱۲۵)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے وجہ دریافت کی تو انھوں نے کہا: یہ ایک اچھا دن ہے۔ اس دن اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دلائی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”موسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت کی وجہ سے میں اس روزے کا زیادہ حق رکھتا ہوں۔“ تو آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا۔

(صحیح بخاری: ۲۰۰۴، صحیح مسلم: ۱۱۳۰)

انصاری بھی اس دن کی تعظیم کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۱۱۳۴)

اب یوم عاشوراء کا روزہ کس دن رکھنا چاہیے؟ اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے، جسے ذکر کرنے کے بعد رائج مسلک کی نشان دہی کی

الحمد لله الذي هدانا بكتابه المجيد إلى الصراط المستقيم، والصلاة والسلام على رسوله محمد الذي اهتدينا بأحاديثه إلى الطريق المستقيم وبعد:

محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ اور حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک ہے۔ اسے ”شہر اللہ“ یعنی اللہ کا مہینہ بھی کہا جاتا ہے۔ ہمارے پیش نظر اسی حرمت والے مہینے کی دس تاریخ کا روزہ ہے۔ آئیے ملاحظہ فرمائیں!

یوم عاشوراء:

امام محی الدین نووی رحمہ اللہ (م ۷۷۶ھ) لکھتے ہیں:

”ذهب جماهير العلماء من السلف والخلف

إلى أن عاشوراء هو اليوم العاشر من المحرم.“

(شرح مسلم للنووي: ۳۵۹/۱ درسی نسخہ)

یعنی سلف و خلف کے جمہور علماء کا نظریہ ہے کہ عاشوراء محرم کی دس تاریخ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فقال الأكثر: هو اليوم العاشر.“

(فتح الباري: ۲۴۵/۴)

”اکثر علماء کے نزدیک عاشوراء دس تاریخ ہے۔“

سیدنا ابوقحادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

سے یوم عاشوراء کے روزے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يكفر السنة الماضية .))

جائے گی۔

① بعض علماء کے نزدیک ”نو“ اور ”دس“ محرم الحرام یا ”دس“ اور ”گیارہ“ محرم الحرام کا روزہ رکھنا چاہیے۔ ان کی دلیل درج ذیل ہے:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صوموا یوم عاشوراء خالفوا الیہود، صوموا قبلہ یوماً أو بعده یوماً.))

(مسند أحمد، رقم الحدیث: ۲۱۵۴، صحیح ابن حزم، رقم الحدیث: ۲۰۹۵، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۸۷/۴)

”یوم عاشوراء کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو (لہذا) ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ رکھو۔“

لیکن یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ”محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ“ اور ”داود بن علی“ دونوں ضعیف ہیں۔

② بعض علماء کے نزدیک ”نو“ اور ”دس“ محرم کا روزہ رکھنا چاہیے۔ ان کے دلائل نمبر (۳) کے تحت آرہے ہیں۔

③ اور بعض علماء کے ہاں صرف ”نو“ محرم کا روزہ رکھنا چاہیے۔ ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کے رکھنے کا حکم دیا تو (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ ایسا دن ہے جس کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فإذا كان العام المقبل إن شاء الله صمنا اليوم التاسع.))

”پس آئندہ سال ہم ان شاء اللہ ”نو“ محرم کا روزہ رکھیں گے۔“

چنانچہ آئندہ سال آنے سے پہلے آپ ﷺ فوت ہو گئے۔

(صحیح مسلم: ۱۱۳۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لئن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع.))

”بلاشبہ اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو ضرور ”نو“ محرم کا

روزہ رکھوں گا۔“ (صحیح مسلم: ۱۱۳۵)

نوٹ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

”كان النبي ﷺ يحب موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه.“

(صحیح البخاری: ۵۵۷۳)

یعنی جس کام میں آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہیں ہوتا تھا، اس کام میں آپ ﷺ اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے۔

اس مسئلے میں بھی پہلے آپ ﷺ اہل کتاب کی موافقت میں عاشوراء یعنی ”دس“ محرم کا روزہ رکھتے رہے، پھر آپ ﷺ نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ سال ہم ”نو“ محرم کا روزہ رکھیں گے، یعنی اب ہمارا عاشوراء ”نو“ محرم ہے۔ اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((لئن عشت العام القابل لأصومن عاشوراء

یوم التاسع.)) (شرح معانی الآثار لأبی جعفر

الطحاوی، رقم الحدیث: ۳۲۲۵ و سندہ حسن)

”اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو میں ضرور عاشوراء کا

روزہ محرم کی ”نو“ تاریخ کو رکھوں گا۔“

اس سے ثابت ہوا کہ اب مسلمانوں کا عاشوراء محرم کی ”نو“ تاریخ کو ہی ہے، یعنی آپ ﷺ نے اس مسئلے میں عاشوراء کے روزے کو ”نو“ تاریخ کی طرف منتقل کر دیا ہے۔ لہذا اب عاشوراء کا روزہ محرم کی ”نو“ تاریخ کو رکھا جائے گا۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ (م ۲۷۵ھ) نے فرمایا:

”باب ما روي أن عاشوراء اليوم التاسع.“

(سنن أبي داود، قبل حديث: ۲۴۴۵)

اس کے تحت امام ابو داؤد رحمہ اللہ وہی ”صمنا اليوم التاسع“

والی حدیث لائے ہیں۔

یعنی امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر مذکورہ باب باندھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ اب ہم عاشوراء کا روزہ ”نو“ محرم کو رکھیں گے۔

امام ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی رحمہ اللہ (م ۶۵۶ھ) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”ظاہرہ أنه كان عزم على أن يصوم التاسع

بدل العاشر وهذا هو الذي فهمه ابن عباس.“

یعنی اس حدیث کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ آپ ﷺ نے

اس بات کا عزم کیا کہ آئندہ سال محرم کی ”دس“ تاریخ کے

بدلے ”نو“ تاریخ کا روزہ رکھیں گے۔ اور یہی مفہوم ابن

عباس رضی اللہ عنہ نے سمجھا ہے۔ (المفہم لما أشكل من

تلخیص کتاب مسلم: ۱۴۰/۹)

پس ثابت ہوا کہ اب ہم عاشوراء کا روزہ دس محرم کی بجائے نو کو

رکھیں گے۔

اب ہم مخالفین کے چند اعتراضات نقل کر کے جوابات دیں گے۔

اعتراض نمبر ۱:

آپ ﷺ نے دس محرم کے روزے کی نفی تو نہیں کی بلکہ ”نو“ اور

”دس“ محرم یعنی دونوں روزے رکھنے سے اہل کتاب کی مخالفت

ہو جاتی ہے، لہذا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مطلب ہوگا میں ساتھ

”نو“ محرم کا بھی روزہ رکھوں گا۔

جواب:

۔ سخن شناس نئی دہرا خطا ایجا است

۱: جب ایک عدد بولا جائے تو وہی عدد مراد ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ

نے فرمایا:

﴿يَتَرَبَّصْنَ بَآنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ط﴾ [البقرة: ۲۲۸]

اس آیت میں اب دو قروء اور چار قروء مراد نہیں بلکہ تین قروء ہی

مراد ہیں، اسی طرح جب آپ ﷺ نے ”نو“ کہا تو آٹھ اور دس مراد

نہیں ہیں، عام فہم بات ہے۔

۲: حدیث میں تو کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا ترجمہ ”نو کے ساتھ“ یا ”نو

کا بھی“ ہو۔ حدیث میں تو صرف ”اليوم التاسع“ یعنی نویں

دن کا ذکر ہے۔

۳: اہل کتاب کی مخالفت کتاب وسنت میں وارد ہونے والے طریقے

سے کی جائے گی نہ کہ خود ساختہ اور من گھڑت طریقے سے،

تفکر ولا تعجل .

اعتراض نمبر ۲:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”خالفوا اليهود، وصوموا التاسع والعشر.“

(السنن الكبرى للبيهقي: ۴/۲۸۷، سندہ صحیح)

یہودیوں کی مخالفت کرو اور ”نو“ اور ”دس“ محرم کا روزہ

رکھو۔“

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی مذکورہ مسلم والی حدیث کے راوی

ہیں اور قاعدہ ہے کہ راوی اپنی روایت کے معنی کو زیادہ جاننے

والا ہے۔

جواب:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو فتوے ہیں، ایک اوپر اعتراض

میں مذکور ہے جبکہ دوسرا صحیح مسلم میں ہے کہ حکم بن اعرج بیان کرتے

ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عاشوراء کے روزے کے بارے

میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جب تو محرم کا چاند دیکھ لے تو ایام

گننا شروع کر دے اور ”نو“ تاریخ کو روزے کی حالت میں صبح کر۔

(حکم بن اعرج) کہتے ہیں: میں نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے

(باقی صفحہ نمبر ۳۲ پر)

جمہوریت کی قباحتیں

محمد شریف بلغاری

انسانیت اور اس کے تقاضے:

”عالم کائنات ایک ایسے مرتب و مسلل نظام فطرت پر قائم ہے جس کا ہر درجہ پہلے درجے سے بلند اور ممتاز ہے۔ پہلے درجے میں جمادات ہیں جن میں نمو ہے نہ حرکت، احساس ہے نہ ارادہ، حس ہے نہ نطق، عقل ہے نہ شعور۔ اس کے بعد نباتات کا درجہ ہے جن میں حرکت و نمو تو ہے لیکن دوسری صفات سے وہ محروم ہیں۔ پھر حیوانات ہیں جن میں نمو و حرکت اور احساس واردہ تو ہے مگر نطق و عقل اور ادراک کلیات کی قوت نہیں۔ پھر انسان ہے جو ان تمام صفات سے متصف ہونے کی وجہ سے ”اشرف المخلوقات“ کہلانے کا مستحق ہے۔“ (قیامت کی نشانیاں، ص: ۲۰)

اگر یہی اشرف المخلوقات خالق کائنات کے عنایت کردہ بصارت، بصیرت اور سماعت جیسی عظیم انعامات سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے خالق و مالک جل جلالہ کا قدر شناس نہ بنے تو حیوان سے بھی بدتر مخلوق شمار ہوتا ہے اگرچہ یہ انسان دنیوی نظر میں ترقی یافتہ، روشن دماغ، جدت پسند اور زمانے کے ساتھ ہم آہنگ کیوں نہ گردانا جاتا ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أُذُنٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَمَا لَآ نِعْمًا بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾ [الأعراف: ۱۷۹]

”ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان جہنم کے لیے پیدا کیے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی

آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہی لوگ غافل ہیں۔“ اللہ کریم نے انسانوں کو دل، آنکھ اور کان اس لیے عنایت فرمائے تھے کہ یہ اشرف المخلوقات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہکاروں پر غور و فکر کریں۔ رب قہار کی طرف سے مختلف قوموں پر مختلف زمانوں میں ان کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے عذاب الہی نے انہیں صفحہ ہستی سے ملیا میٹ کیا تھا، اس سے سبق حاصل کریں۔ گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ ﴿أَنَارَ بَكْمَ الْأَعْلَى﴾ کا نعرہ لگانے والے اور ﴿إِنَّمَا أَوْتَيْتَهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عَنَدِي﴾ جیسے زعم باطل میں مبتلا فرعون و نمرود جیسوں کے الم ناک انجام سے درس عبرت حاصل کریں۔ سونامی طوفانوں نے چند لمحوں میں شہروں کے شہر خس و خاشاک کی طرح بہا دیے اور لاکھوں انسانوں کو چند ثانیوں میں عالم وجود سے عالم فنا کو پہنچا دیا۔ سمندروں کے کناروں کو اربوں ڈالروں سے فحاشی کے اڈوں میں تبدیل کر کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کو چیلنج کرنے والے لاکھوں انسان عیاشی کے اڈوں سمیت تباہ و برباد ہوئے۔ مضبوط ایٹمی پاور پلانٹ رکھنے والے جاپان کے ایٹمی مراکز کو سمندر کی تہوں میں معمولی زلزلہ پیدا کر کے تباہی کے کنارے پہنچانے اور جدید ترقی یافتہ شہروں کے شہر کو تنکوں کی طرح سمندر برد ہونے جیسے قدرت کے مظاہروں کو دیکھتے ہوئے اللہ کے خالق اور قادر مطلق ہونے، اس کے سپر پاور ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے رب ذوالجلال کے بندے بنیں۔ لیکن صد افسوس کہ چند مفروضے قائم کر کے، انگل پچو لگا کر اور چند بے تکی وجوہات بیان کر کے اس عبرت کے سامان کو نسیاً منسیاً

کردیتے ہیں۔

یوں تو اس وقت دنیا میں مغرب کی ترقی کا غلغلہ، سائنسی ایجادات کا چرچا، جدت پسندی کے مقبول ہونے کی باتیں زبان زد عام ہیں لیکن اگر کوئی فطرت سلیمہ رکھنے والا شخص، عقل کامل رکھنے والا انسان، تفکر و تدبر سے لبریز دل کے ساتھ اس نشریاتی لہروں اور میڈیا کی چنگھاڑ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یورپ عالم انسانیت سے بالکل ہی نکل گیا ہے۔ اپنے اس سیاہ ترین دور کو چھپانے کے لیے اور ان بدترین حالات پر پردہ ڈالنے کے لیے اس مادر پدر آزاد زندگی کو ماڈرن اور ترقی یافتہ دکھانے کے لیے جدید سے جدید آلات نشر و اشاعت روبہ عمل لایا ہوا ہے۔ اور انسانیت کی پستی، اخلاق سوز کردار، شرف انسانی کو بھیمت، رذالت اور ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں دھکیلنے، لوگوں کو عریانیت و فحاشی کے سیلاب بدتمیزی کی بے ہنگم موجوں کے نذر کرنے جیسے رذیل کاموں پر روشن ضمیری کا لیبل چسپاں کر کے خالق حقیقی سے جنگ کرنے کو انسانیت کی ترقی گردان رہے ہیں۔

حقوق انسانی کے ٹھیکے دار:

سودی نظام جن کی معیشت، زنا و بدکاری جن کی جدت، ہم جنس پرستی جن کا قانون، عریانیت و فحاشیت جن کا اخلاق، کتوں و بلیوں سے جن کو پیار، خنزیر جن کی خوراک، شراب سے جن کو شغف، ناچ گانا جن کا مشغلہ، غرضیکہ تمام تر گھٹیا کردار و اعمال کے دلدادہ اہل مغرب اپنے حکمرانوں سمیت حقوق انسانی کی ٹھیکے داری کا دعویٰ کرتے ہیں اور عالم اسلام میں مختلف این جی اوز کے ذریعے اسلامی شعائر کی دھجیاں اڑانے میں مصروف عمل ہیں۔ ان میں حقیقی انسانیت کی رقت بھی موجود نہیں ہے۔ کیا ان کا انسانیت کے علمبردار ہونے کا دعویٰ درست ہو سکتا ہے!!!

☆ جو انسانوں کی تقسیم رنگ و نسل کی بنیاد پر کرتے ہوں، کیا ایسے لوگ جنس انسانی کے حقوق کے علمبردار ہو سکتے ہیں!!!

☆ عبادت خانوں سے لے کر قحبہ خانوں تک، سکولوں سے لے کر

یونیورسٹیوں تک، پارکوں سے لے کر سیرگاہوں تک میں صنف نازک کے ساتھ جنسی زیادتی کا ارتکاب کرنے والے کیا حقوق انسانی کے علمبردار ہو سکتے ہیں؟؟؟

☆ جو ہیرو شیما پر ایٹم بم گرا کر ہر ذی روح کو بھسم کر دیں۔ افغانستان اور عراق وغیرہ میں ناجائز مداخلت کرتے ہوئے بے گناہ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو خاک و خون میں رنگ دیں، کیا ایسے لوگ حقوق انسانی کے ٹھیکے دار بن سکتے ہیں؟؟؟

☆ اہل مغرب کے بغلی بچے اسرائیل کی طرف سے فلسطین کے مختلف کیمپوں میں بسنے والے لوگوں کے لیے ہر طرح کی خوراک کی فراہمی پر پابندی لگا کر مردار اور کتے و بلیوں تک کو کھانے پر مجبور کرنے کے باوجود اسرائیل کو ہی حق بجانب ٹھہرانے والوں کا حقوق انسانی کا دعویٰ، چہ معنی دارد!!!

☆ صابرا اور شتیلا کے کیمپوں میں بسنے والے مظلوم فلسطینی بچوں اور عورتوں کو تہ تیغ کرنے والوں کے مددگار سفاک لوگ حقوق انسانی کا دعوے کریں تو کیا درست ہو سکتا ہے؟؟؟

☆ ان درندہ صفت معاشرے کے مکینوں کو یہ کھلی چھوٹ کس نے دی ہے؟ کیا ان میں مبعوث کیے گئے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے دی ہے؟ کیا ان کے نبیوں کی لائی ہوئی اصل آسمانی کتابوں میں اس کی اجازت ملتی ہے؟ ہرگز نہیں! حقیقت میں یہ لوگ اپنی بد اعمالیوں، بے ضابطگیوں، لاقانونیت اور درندگی کی وجہ سے رب ذوالجلال کے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَنَذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾ [حم السجدة: ۲۷]

”پس یقیناً ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے

اور انھیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ ضرور دیں گے۔“

اور یہ سزا دنیا میں سونامی طوفانوں، ایڈز اور دیگر وبائی امراض کی

شکل میں دے رہا ہے، لیکن کوئی ہے جو اس سے عبرت پکڑے؟

جمہور ”ج“ کے ضمہ کے ساتھ ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں، اور یہ لفظ لوگوں کی اکثریت پر بولا جاتا ہے۔

(ترتیب قاموس المحيط، ص: ۵۳۴)

جمہور اصل میں ”جمہر“ ہے، اس کا معنی ہے:

”إِذَا أَخْبَرْتَ الرَّجُلَ بِطَرَفٍ مِنَ الْخَبَرِ وَكُتْمَتِهِ

الَّذِي تَرِيدُ.“ (لسان العرب: ۴/ ۱۴۹)

یعنی کسی کو اصل حقیقت چھپا کر کسی چیز کی خبر دینا۔

یہ جمہوریت کی لغوی وضاحت ہے۔

جمہوریت کی اصطلاحی تعریف یوں کی جاتی ہے:

”الحكم الجمهوري هو أن يكون الحكم بيد

أشخاص تقيمهم الرعايا تحت شرائع

وقوانين تفرضها لهم فيلزمهم السلوك

بموجبها مطلقاً.“ (محيط المحيط، ص: ۱۲۶)

”جمہوری نظام حکومت اسے کہا جاتا ہے کہ کچھ طریقے اور

قانون اپنے طور پر وضع کر کے اسے چلانے کے لیے عوام

کچھ لوگوں کا انتخاب کرے جو ان کے لیے وضع کیے گئے

قوانین پر عملدرآمد کرائے سب عوام کو یہ قوانین تسلیم کرنا ہوں

گے۔“

کوئی بھی شخص بنظر غائر ”جمہور“ کی لغوی و اصطلاحی تعریف پر

غور کرے تو جان لے گا کہ جمہوری نظام اسلام سے کوئی میل نہیں

کھاتا۔ اسلامی نظام حکومت کا منبع و سرچشمہ کتاب و سنت ہے، پھر

اجماع، قیاس اور مصالح مرسلہ کے تحت قرآن و حدیث کے نصوص

سے مستنبط فقہاء و مفکرین امت کے اجتہادات۔ جبکہ جمہوریت وضعی

نظام قانون ہے۔

نظام حکومت چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت

محمد ﷺ کو خطاب کر کے تاقیامت حکم فرمایا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْغَايِبِينَ حَصِيْبًا﴾

[النساء: ۱۰۵]

”یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل

کی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس

سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے، اور خیانت کرنے والوں کے

حمایتی نہ بنو۔“

اس آیت کریمہ میں جہاں رب قدوس نے قرآن کو فیصلے کے

لیے سرچشمہ ہدایت قرار دیا ہے وہیں اس سے تدبر و تفقہ حاصل کرنے

کی جانب بھی لطیف اشارہ فرمایا ہے۔ اور حق کو چھپانے اور صداقت

کو دبانے والوں کا ساتھ نہ دینے کا حکم فرمایا۔

الیکٹرک اور پرنٹ میڈیا میں جمہوری سیاست کی کامیابی کے لیے

بڑا زور لگایا جا رہا ہے۔ مغربی دانشوروں کے ساتھ مغرب نواز مسلمان

مفکرین بھی بڑے زور و شور سے جمہوریت کی تعریف میں رطب

اللسان ہیں، حالانکہ یہ انسانوں کے وضع کردہ نظام کبھی بھی کامیاب

نظام زندگی نہیں بن سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں اور

یہودیوں کو اپنے دور میں احکامات الہی کے تحت نظام حکومت

چلانے کا حکم فرمایا۔ اگر خود ساختہ نظام انسانیت کے لیے بہتر ہوتا تو

انسانوں کو ہر دور میں مناسب نظام حکومت وضع کرنے کی اجازت

ہوتی مگر ایسا ہرگز نہیں ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ

اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ

بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ [المائدة: ۴۳]

”اور (تعجب اس پر ہے کہ) وہ لوگ تجھ سے کیوں فیصلہ کرانا

چاہتے ہیں، ان کے اپنے پاس تو تورات ہے اس میں اللہ

تعالیٰ کا حکم موجود ہے (اس کے مطابق فیصلہ کیوں نہیں

کرتے) پھر اس کے بعد (بھی) نہیں مانتے۔ اور اصل

بات یہ ہے کہ ان میں ایمان نہیں ہے۔“

مذکورہ فرمان الہی سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات کے ماننے والوں کو

دعوتِ فکر:

محترم بھائیو! اللہ کریم کا فرمان ہے:

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾

[محمد: ۲۴]

”کیا یہ لوگ قرآن کریم پر غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔“

وہ تمام حضرات جو قرآنی تعلیمات سے نااہل ہیں، قرآن فہمی کے لیے جن کے پاس وقت نہیں ہے یا مغربی ثقافت سے مرعوب ہیں یا دینار و درہم کی ہوس میں قرآنی ہدایت سے انجان بنے بیٹھے ہیں، قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات پر غور کیجیے، کیا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاں قرآنی احکامات پر عمل پیرا ہونے کا حکم فرمایا وہیں عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی احکامات الہی کا پابند ہونے کا حکم نہیں فرمایا تھا؟ کیا اللہ کریم نے صرف مسلمانوں ہی کو قرآنی تعلیمات کا پابند بنایا تھا یا اہل مغرب کو بھی جن کی اکثریت عیسائی اور یہودی ہیں؟ کیا کتب سماوی میں سے کسی بھی کتاب میں نظام الہی چھوڑ کر کہیں بھی وضعی نظام پر چلنے کا حکم ملتا ہے؟ کیا جمہوریت، جس میں اکثریت کی رائے کو قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے، کی کوئی شرعی حیثیت بھی ہے؟ قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَإِنْ تَطِيعَ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾

[الأنعام: ۱۱۶]

”اگر تو ان میں سے اکثر کا کہنا مانے جو زمین میں (بستے) ہیں تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے، وہ تو گمان کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اٹکل لگاتے ہیں۔“

یہاں اللہ عز و جل نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے اصل میں امت محمدیہ کو تنبیہ فرمائی ہے کہ حق و صداقت کا معیار اکثریت نہیں بلکہ

تورات پر عمل کرنا واجب تھا مگر انھوں نے احکام الہی میں من مانی تحریف، تبدیلی اور تغیر کیا جیسا کہ آیت مذکورہ کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے آیت زنا کو تبدیل کر کے سنگ ساری کی جگہ پر کوڑے مارنے کو اور منہ کالا کرنے کو رجم کے بدلے میں قانون بنا دیا۔ اور اس وقت اہل یورپ کا قانون یہ ہے کہ رضا مندی سے جو بھی کرے اور جہاں بھی بدکاری کرے کھلی چھوٹ ہے۔ ہاں، اگر کوئی ان کی اس بدکاری کو معیوب جانے اور انھیں معتب کرے تو یہ باعث جرم ہے اور ایسا شخص قابل مواخذہ، اس لیے کہ اس نے کسی کی آزادی کو ہدف تنقید بنایا ہے۔

اسی طرح موجودہ دور کے عیسائی اور یہودی نظام الہی کے مقابلے میں جمہوری قانون وضع کر کے پوری دنیا کو مادر پدر آزاد معاشرے میں بدلنا چاہتے ہیں اور تورات کے احکامات کے ساتھ کھلی بغاوت پر اتر آئے ہیں، تورات کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا

النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا﴾ [المائدة: ۴۴]

”بے شک ہم نے تورات اتاری، اس میں ہدایت ہے اور روشنی ہے، اللہ کے تابعدار پیغمبر یہودیوں کو اسی کے مطابق حکم دیتے رہے۔“

رسالت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے عیسائیوں کو بھی اللہ کا حکم یہی تھا:

﴿وَلْيَحْكُمُ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ

يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

[المائدة: ۴۷]

”اور انجیل والوں کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق فیصلہ کریں اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہ (بدکار) فاسق ہیں۔“

ذرا پھر سے جمہوری حکومت کی تعریف پر غور کیجیے، یہ تعریف کسی مسلمان لغت دان کی نہیں بلکہ یہ تعریف جدید لغت پر محیط کتاب ”محیط المحیط“ لکھنے والے معلم پطرس بستانی کی ہے جو علوم عربی کا ماہر، سریانی، لاطینی اور اطالوی زبانوں کا عالم، فلسفہ اور لاهوت و تشریح کنائس کا جاننے والا ہے، کتاب مقدس کو عربی میں ترجمہ کرنے والا، جریدہ ”نفر السوریہ“ کا بانی اور شام میں ”المدرستہ الرضیہ“ کا مؤسس ہے۔

اگر ابن منظور افریقی کی تعریف پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کو اصل حقیقت کے خلاف اطلاعات دے کر اپنا الوسیدھا کرنے کو جمہوریت کہتے ہیں جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ جھوٹی خبریں اچھال کر کسی بھی ملک پر دہشت گردی کی انتہا کر دی جائے جیسا کہ عراق و افغانستان میں ہوا ہے۔ اور اگر ظاہر احمد کی تعریف کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ”جمہور“ ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ یہ تعریف بھی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ جہاں جہاں بھی جمہوری نظام حکومت رائج ہے وہ کیمونسٹ نظام کی طرح ریت کی دیوار ثابت ہو رہا ہے، اور تمام نظامہائے زندگی تتر بتر ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ (جاری ہے)

دعائے مغفرت

مولانا محمد حسن احسن چونیاں اور قاری محمد حسین (مدیر جامعہ ام عالیہ مغل کالونی حجرہ شاہ مقیم) کے بھانجے قاری عبدالمنان اسد رکن اہل حدیث یوتھ فورس پتوکی مورخہ ۲۰۱۱-۱۰-۱۵ کو صبح کی اذان کہنے کے لیے جزیئر چلانے لگے تو جزیئر میں دھماکہ ہو گیا جس کی آگ سے وہ بری طرح جھلس گئے۔ چند روز میو ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ آخر ۲۰۱۱-۱۰-۱۸ بروز منگل اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی نماز جنازہ مولانا مبشر احمد مدنی نے پڑھائی۔ جنازے میں مولانا قاری خالد مجاہد اور مولانا قاری تاج محمد شاکر، مولانا عبدالجید اور دیگر اقرباء دوست احباب شریک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل دے، آمین۔

(عبدالاعلیٰ بن قاری محمد حسین متعلم جامعہ لاہور الاسلامیہ)

دلائل و براہین ہیں۔ اصل معیار ہر وہ نظام سیاست ہے جو کتاب و سنت سے متصادم نہ ہو۔ اور ہر وہ اصول و ضابطے اور قوانین باطل اور لایعنی ہیں جو نظام الہی کے خلاف ہوں۔

یہاں لفظ ”ظن“ اور ”یخڑ صون“ پر غور کیجیے کہ قوانین الہی کے متبادل نظام صرف انسانی گمان اور اندازہ ہی ہو سکتا ہے کہ یہ معاشرے کے لیے درست ہو سکتا ہے لیکن درستی کی ضمانت نہیں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آئے روز نظام بدلنا پڑ رہا ہے۔ قانون پاس ہوتے جا رہے ہیں جبکہ قانون الہی کی صلاحیت و حقانیت کی ضمانت خود احکامات الہی ہی ہیں جو قیامت تک کے لیے ضابطہ حیات ہیں۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تنبیہ فرمائی ہے کہ کافروں کی ہاں میں ہاں نہ ملاؤ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرًا﴾

[آل عمران: ۱۰۰]

”اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی کسی جماعت کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد مرتد و کافر بنا دیں گے۔“

اور دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے ایک کسوٹی قائم کی:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

[الأحزاب: ۷۱]

”اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے تو یقیناً اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔“

جب اللہ تعالیٰ ہمارا خالق اور رسول اکرم ﷺ ہمارے ہادی ہیں تو دوسروں کے در کے سوا کیوں نہیں۔ جب اسلام کے زریں اصولوں پر چلتے رہنے میں مسلمان کامیاب و کامران رہے حتیٰ کہ اسلام کے نظام حکومت کے اندر غیر مسلم تک بھی امن و سکون سے رہے تو ایسے مسلم الثبوت صالح نظام کو چھوڑ کر کافروں کی طرز حکومت اپنانے کی کیا ضرورت آن پڑی ہے؟

ہمدرد ملت حکیم محمد سعید رحمہ اللہ ہمدرد کی مجلس شوریٰ کے لیے لکھا گیا

لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں لیکن جس طرح حیات مستعار کا لمحہ لمحہ انھوں نے استعمال کیا وہ بہت کم بلکہ بہت ہی کم دیکھنے میں آیا، رحمہ اللہ۔
قرآن مجید میں نماز کے حکم کے ساتھ ساتھ فی سبیل اللہ خرچ کی ترغیب بھی برابر آتی ہے لیکن مشاہدے میں یہ بات بھی آئی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے راستے میں خرچ کرنے کی توفیق بھی اسی کو دیتا ہے جس کے مال کو وہ پسند کرتا ہے۔ اس زاویہ نگاہ سے حکیم صاحب رحمہ اللہ کے صدقات جاریہ دیکھیں تو ان سے ایسا حسد پیدا ہوتا ہے جس کو علمائے شریعت نے مستحسن کہا ہے۔
شہادت کی طلب ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا کا پہلا جملہ ہے:

اللھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے ان کو شہادت نصیب فرمائی۔ ایسے ہی نبی ﷺ نے بعض مخصوص حالات میں موت کو شہادت فرمایا ہے، ان میں جرم بے گناہی کی موت بھی ہے۔ اس ناچے سے ہم حکیم صاحب رحمہ اللہ کو شہید کہہ سکتے ہیں۔ باقی رہے قاتل تو اس بارے میں نبی ﷺ کی دو احادیث کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان دین کے کھلے مزاج سے دین کے کام اس وقت تک سرانجام دیتا رہتا ہے جب تک وہ کسی انسان کے ناحق قتل کا ارتکاب نہیں کرتا۔“

۲۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”ایماندار آدمی خیر میں اس وقت تک بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا

ہمدرد ملت حکیم محمد سعید رحمہ اللہ قدرت کی طرف سے فطرت سعید لے کر آئے تھے، اللہ کی توفیق سے انھوں نے نیت بھی سعید کر لی اور اعمال سعید کی کوشش کرتے انھوں نے عمر گزار دی۔

عربی زبان کا ایک معروف جملہ ہے: ”مساءل من اقتصد“ جس نے اخراجات میں توازن رکھا وہ کبھی تنگ دست نہیں ہوگا۔“
چنانچہ حکیم صاحب رحمہ اللہ کے حالات دیکھنے سے علم ہوتا ہے کہ توازن و اعتدال حکیم صاحب کے مزاج کی بہت بڑی خوبی تھی۔ انھوں نے عمر بھر اپنے خطبات و مقالات میں قوم کو اخراجات میں کفایت شعاری کی ترغیب دی۔ بے توجہی کے باعث ہم سب ٹشو پیپر کا استعمال کرتے ہیں، حکیم صاحب رحمہ اللہ نے اس بے جا خرچ کو بچا کر جیبی رومال کی طرف توجہ دلائی۔ ایسے ہی ایک ناشتہ اور ایک کھانا ان کا ذاتی عمل تھا جس کو اخبارات کے ذریعے قوم تک پہنچاتے رہے۔ ان کا یہ فکر جہاں اخراجات کو متوازن رکھتا ہے اس سے زیادہ انسانی صحت کے اعتدال کے لیے مفید تھا لیکن افسوس کہ مغرب کی تقلید کے باعث ہم سب نے ان کی ان قیمتی ہدایات کی طرف دھیان نہیں دیا۔

عمر میں برکت کی دعاؤں پر مشتمل احادیث مبارکہ پڑھتے ہوئے طالب علم تقدیر کی آڑ لے کر جب اساتذہ سے سوال کرتا کہ عمر تو تقدیر میں لکھی جا چکی ہے تو پھر برکت کا کیا معنی؟ اساتذہ ارشاد فرماتے کہ عمر میں برکت سے مراد ماہ و سال کی نہیں اعمال حسنہ کی برکت ہے۔ حکیم صاحب رحمہ اللہ کے معمولات و مصروفیات سے جب آگاہی ہوئی تو ان دعاؤں کا مجسم مفہوم سامنے آ گیا کہ کوئی بھی انسان اگر اپنا وقت کسی دینی یا رفاہی عمل میں صرف کرے تو اس نے عمر میں برکت حاصل کر لی۔ حکیم صاحب رحمہ اللہ کی عمر کو پہنچنے والے ہزاروں، لاکھوں

نقوش پا تو مٹ جاتے ہیں لیکن قافلے والے
سلوک راہ نما وراہزن کو یاد رکھتے ہیں
اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ پر رحم فرمائے کہ راہ نما جارہے ہیں اور ہم
راہزنوں کے نرغے میں ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ حکیم صاحب رحمۃ اللہ کی حسنت قبول
فرمائے اور ان کی بشری لغزشوں سے درگزر فرمائے۔
ایں دعا ازمن و جملہ جہاں آمین باد



ہے جب تک وہ کوئی ناحق قتل نہیں کرتا۔“ (یعنی قتل ناحق
سے خیر کی توفیق چھین لی جاتی ہے جب تک وہ اس سے توبہ
نہ کرے۔)

تو حضرات گرامی قدر! جس فرد نے حکیم صاحب کی ناحق جان لی
اس سے بھی توفیق خیر چھین لی گئی، اور اگر کوئی گروہ اس میں ملوث ہوا
تو اس کی قسمت میں بھی اچھے اعمال کا ختم ہونا اس لیے یقینی ہے کہ یہ
نبی ﷺ کا ارشاد ہے جو یقیناً حق اور سچ ہے۔

حضرت احسان دانش کیا الہام سے فرما گئے تھے۔

بزرگ صحافی جناب مصطفیٰ صادق رحلت فرما گئے

پاکستان کی صحافت کے ایک اہم ستون، کہنہ مشفق صحافی اور بزرگ دانش ور جناب مصطفیٰ صادق صاحب ۲۱ نومبر ۲۰۱۱ء کی صبح ۱۱ بجے وفات پا گئے۔ انا
لہ وانا الیہ راجعون

مرحوم پاکستان کے بزرگ صحافیوں میں شامل تھے۔ انھوں نے اپنی سیاسی و صحافتی زندگی کا آغاز جماعت اسلامی کے پلیٹ فارم سے کیا۔ روزنامہ
تسنیم، لاہور کے معاون مدیر کی حیثیت سے صحافت میں آئے۔ ایک عرصہ تک وہ جماعت کے ساتھ منسلک رہے، اختلاف رائے کے باعث پھر وہ
جماعت کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے۔ ازاں بعد مولانا عبدالرحیم اشرف صاحب مرحوم کے ساتھ ان کے ماہنامہ ”لمنیر“ کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ روزنامہ
آفاق بھی فیصل آباد سے نکالتے رہے جس میں مرحوم مصطفیٰ صادق صاحب محترم جمیل اطہر قاضی صاحب (جواب روزنامہ جرأت کے ایڈیٹر ہیں) کے
ساتھ مل کر کامیابی سے اخبار چلاتے رہے۔ ازاں بعد لاہور چلے آئے یہاں انھوں نے وارث روڈ سے روزنامہ ”وفاق“ کا آغاز کیا۔ شروع میں بہت سی
مشکلات آئیں لیکن وہ ثابت قدم رہے۔ مرحوم ملک و ملت کے لیے ایک دل درد مند رکھنے والے انسان تھے۔ ملک کے سیاسی حالات پر گہری نظر رکھتے
تھے۔ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے عہد اقتدار میں ”عوامی رابطے“ کے وفاقی وزیر بھی رہے۔ جناب مصطفیٰ صادق صاحب مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ
سے گہری عقیدت اور دارالدعوة السلفیہ اور مفت روزہ الاعتصام کی مجلس ادارت کے معزز رکن محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ کے قدیم دوست تھے۔ مفت
روزہ الاعتصام لاہور کی اشاعت خاص کی تعارفی تقریب میں بر بنائے عقیدت انھوں نے شرکت فرمائی اور محترم جناب حافظ احمد شاکر صاحب رحمۃ اللہ نے
مؤرخہ ۱۱ جنوری ۲۰۰۹ء کو مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ کے اعزاز میں ایک تقریب کا انعقاد ہمدرد سنٹر میں کیا تو اس تقریب میں دیگر مہمانان گرامی کے ہمراہ
جناب مصطفیٰ صادق صاحب کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ جناب مصطفیٰ صادق ان دنوں علیل تھے۔ مگر محترم مولانا بھٹی صاحب کی محبت و خلوص کی خاطر وہ علالت
طبع کے باوجود جناب جمیل اطہر صاحب چیف ایڈیٹر روزنامہ ”جرأت“ لاہور کے ہمراہ تشریف لائے۔ ہم نے ان سے مصافحہ کیا، خوش آمدید کہا۔ موصوف
تقریب میں کچھ ساعات تشریف فرما رہے۔ علالت طبع کے باعث خطاب تو نہ کیا مگر بھٹی صاحب کے اعزاز میں منعقدہ تقریب کی بڑی تحسین فرمائی۔

مرحوم مصطفیٰ صادق صاحب ملک کے معروف علمائے کرام اور دینی و مذہبی رہنماؤں کے بڑے قدر دان تھے۔ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے جب
”مجلس شوریٰ“ قائم کی تو یہ رکن شوریٰ بھی رہے۔ جناب مصطفیٰ صادق تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ کے یقینی شاہد تھے۔ ملک کے
بڑے بڑے صحافیوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ صف اول کے سیاست دانوں سے ان کے مراسم تھے۔ تحریک ختم نبوت کے دوران قادیانیوں کو ملکی سطح پر جب
غیر مسلم قرار دیا گیا تو اس میں بھی مرحوم نے صائب مشوروں سے حکومت وقت کو نوازا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کی تیاری کے سلسلے میں کامیابی پر جناب
ذوالفقار علی بھٹو کی خدمت میں بھی ایک خط کے ذریعے ان کی خدمات کو سراہا۔

مرحوم ایک طویل عرصے سے علیل تھے۔ ان کے سینے میں ایک دل درد مند تھا۔ اور ان کا سینہ ملکی حالات و واقعات کے کئی راز کا دفینہ۔ ان کی وفات
سے ایک عہد کی داستان ہی دفن ہو گئی ہے۔ دعا ہے اللہ کریم ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ ہم ان کے
صاحبزادوں و قار مصطفیٰ و اخوانہ کی خدمت میں سپاس تعزیت پیش کرتے ہیں۔ اللہ کریم مرحوم کو اعلیٰ علیین عطا کرے، آمین۔ (محمد سلیم چنیوٹی)

متحدہ ہندوستان کی تحریک خلافت میں علمائے اہل حدیث کے قابل فخر کارنامے

شیخ عبدالرشید صاحب صدیقی رحمہ اللہ

صدیقی صاحب نے مضمون ہذا کی تمہید میں تحریک خلافت کا جو جامع پس منظر بیان فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ایک اہم تاریخی نکتہ بھی اگر شامل کر لیا جائے تو شاید بصیرت میں اضافے کا سبب ہو سکے اور وہ یہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) سے پہلے، اس کے دوران اور اس کے بعد یورپ کی سب عیسائی حکومتوں کا اصل مقصد ترکوں کو منصب خلافت اسلامیہ سے معزل کر کے بیت المقدس اور قسطنطنیہ دونوں کو مسلمانوں سے واپس لینا تھا اور یہ سب کچھ بطور ایک ملکی سیاست کے نہیں تھا بلکہ صدیوں سے وراثتاً پائی ہوئی صلیبی ذہنیت سے۔ ایک طرف وہ بیت المقدس پر قبضہ کر کے حضرت صلاح الدین ایوبی کا بدلہ مسلمانوں سے لینا چاہتے تھے اور دوسری طرف قسطنطنیہ کو واپس لینا چاہتے تھے جس کو سلطان سلیم اول نے (غالباً نویں صدی ہجری میں) عیسائیوں سے بطور فتح حاصل کیا تھا۔ صلیبی جنگوں کے بعد سے آج تک چار پانچ صدیوں کے تاریخی تسلسل کو گہری نظر سے دیکھا جائے تو جب سے اب تک عالم اسلام میں اصل مقابلہ صلیب اور اسلام کا ہے۔ حضرت علامہ جمال الدین افغانی رحمہ اللہ کی ساری سیاست اسی محور کے گرد گھومتی تھی اور اسی نظریہ پر زندہ بزرگوں میں علامہ مفتی امین الحسینی الفلستانی ہیں۔ برصغیر میں تحریک خلافت اسی بنیاد پر تھی۔ بالغ نظر علماء نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی راہ نمائی میں اس کو خوب سمجھ رکھا تھا۔ افسوس بعد میں سطحیت پسند یا عیار سیاست دان مغرب کی عیسائی حکومتوں کے پھیلانے ہوئے پروپیگنڈا کا شکار ہو کر اس نکتے سے بھٹک کر رہ گئے اور اب تک اس کی سزا ایسی طویل بھگت رہے ہیں جس کا کوئی سرا نظر نہیں آتا، ﴿وكان قدرا مقدورا﴾ حقیقت یہ ہے کہ جس دن عالم اسلام اس نکتے کو پالے گا کہ اصل مقابلہ اسلام اور صلیب کا ہے اور اسی کے مطابق سیاسی پالیسیاں ترتیب پاریں ہیں اسی دن ہماری فلاح کی سحر طلوع ہوگی۔ اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لائے۔ (مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ)

سال سے تمام جزیرۃ العرب پر بھی بحیثیت خادم حرمین شریفین انتظام وانصرام کی ذمہ دار ہو گئی تھی۔ مذکورہ جنگ عظیم سے پہلے ترکی حکومت نے جزیرۃ العرب کے مختلف ممالک عراق، شام، فلسطین، لبنان اور حجاز مقدس پر اپنی طرف سے اس علاقے کے گورنر شریف حسین شریف مکہ پر اعتماد کرتے ہوئے وہاں کے تمام انتظامات میں اُسے سربراہ حکومت بنایا ہوا تھا۔ جس نے اپنے بیٹوں میں سے امیر علی کو نائب گورنر مدینہ، امیر عبداللہ (موجودہ شاہ حسین کے دادا) کو فلسطین (اردن)، بیت المقدس اور شام کا نائب گورنر اور عراق پر فیصل کو گورنر مقرر کر رکھا تھا۔ جنگ عظیم میں اتحادی طاقتوں نے، جو سب کی سب

دسمبر ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم ختم ہوئی اور برطانیہ، فرانس وغیرہ عیسائیوں کی اتحادی فوجوں نے جرمنی کو شکست دے کر اس ملک پر قبضہ کر لیا تو ترکان آل عثمان کی حکومت پر بھی جنگ میں جرمنی سے معاہدے کی وجہ سے عیسائی حکومتوں نے قبضہ کر کے اُسے یونان کی تحویل میں دے دیا۔ ترکی حکومت جو اس وقت جنگ میں بھرپور حصہ لینے کی وجہ سے بہت کمزور اور تباہ ہو چکی تھی، مسلمانانِ عالم میں اپنی مقبولیت کے سبب ”خلافت عثمانیہ“ کے نام سے موسوم تھی اور چار صدیوں سے تمام اسلامی ممالک میں اپنی مرکزی طاقت و قوت کے سبب مسلمانانِ دنیا کی محبت کا محور تھی۔ ساتھ ہی حکومت عثمانیہ چار سو

عیسائی تھیں، اندرونی سازش سے شریف مکہ کو ورغلا یا اور اس نے ترکوں سے غداری کردی اور اپنے ذاتی اختیارات کا اعلان کرتے ہوئے جزیرۃ العرب میں اپنے محسن ترکوں کا خون بہایا اور انھیں انگریزی فوجوں کے ہاتھوں بے دردی سے شہید کرا کر وہاں سے اُن کا تمام اقتدار ختم کرا دیا۔ جنگ عظیم ختم ہوتے ہی ترکوں کی اور پرانی اسلام دشمن عیسائی حکومت یونان نے ترکی پر قبضہ کرتے ہی ایڈریا نوپل، استنبول، انگورہ اور سمرنا وغیرہ ترکی کے مرکزی مقامات پر مسلمانوں کا بے بہا خون بہایا اور ان کے بال بچوں تک کو تہ تیغ کر کے ظلم و ستم کی حکمرانی قائم کر دی گئی جس کے کچھ عرصہ بعد مصطفیٰ کمال پاشا نے سنبھلتے ہی ترکوں کی فوجی قوت بنا کر اُن سے مقابلہ کر کے مقبوضہ علاقوں کو آزاد کرا لیا اور وہاں پر مصطفیٰ کمال پاشا کے یہودی رفقاء کے زیر نظام ایک جمہوری حکومت قائم کر دی گئی اور خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا گیا اور عیسائیوں اور یہودیوں نے اندرونی طور پر اس حکومت کے نظام میں شریک ہو کر اُسے ایک سیکولر سٹیٹ کی صورت قائم کر دی جو تقریباً ۲۵، ۳۰ سال تک جاری رہی اور اسلامی جذبہ ختم ہو کر مساجد بند کر دی گئیں۔ دینی مکاتیب مسدود اور مساجد میں اذانیں تک عربی زبان کی بجائے ترکی میں ہونے لگیں۔

ادھر جنگ ختم ہوتے ہی عیسائی حکومتوں نے جزیرۃ العرب میں شریف حسین کے بیٹوں کو بدستور گورنری پر فائز رکھا اور جزیرۃ العرب کے حصے بخرے کر کے شام اور فرانس کے حوالہ کر دیا۔ لبنان اس وقت تقریباً شام کے قبضے کے ماتحت تھا جو بعد میں علیحدہ ہو کر ایک الگ جمہوری ریاست کی صورت اختیار کر گیا جس میں عیسائی سربراہ بنانے کا فیصلہ صادر کر دیا گیا۔ فلسطین (موجوہ اُردن سمیت) جو اس وقت (مذکور) امیر عبداللہ کی گورنری کے ماتحت تھا، اس پر انگریزوں نے قبضہ کرتے ہوئے عیسائی حکومتوں کی سازش اور ریشہ دوانیوں سے اُس کے ایک آباد و زرخیز حصے کو یہودیوں کی آبادی اور مسلمانانِ عالم

کے دلوں پر ایک ابدی ناسور پیدا کرنے کے لیے، اسرائیل کی حکومت کی بنیاد ڈالی تاکہ یہودی اور عیسائی مل جل کر، عربوں کی خصوصاً، ایذا رسانی کر سکیں اور مسلمانانِ عالم کو ہمیشہ کے لیے غم و الم میں مبتلا کر سکیں۔ عراق پر بظاہر امیر فیصل کا نظام حکومت دکھایا گیا مگر برطانیہ، جو اُس وقت کے عیسائیوں میں سب سے بڑی طاقت تھی، نے بالواسطہ اس پر قبضہ کرتے ہوئے وہاں تیل تلاش کرنے کے لیے آئل کمپنیوں کا جال بچھا دیا اور عراق، شام اور حیفہ یا فہ تک تیل کی پائپ لائن بچھا کر پورے طور پر اس کو اپنی قوت و اقتدار کا مرکز بناتے ہوئے ایران و افغانستان کے خلاف سازشوں کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اور عرب کی مشرقی ریاستوں کویت، بحرین، قطر، عمان، مسقط وغیرہ میں تیل نکالنے کے لیے سرگرمیاں دکھا کر اُن ریاستوں کو بھی کافی عرصہ تک اپنا غلام بنائے رکھا جو بعد میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو کر آزاد ریاستیں بن گئیں اور آج محمد اللہ وہ اپنے ممالک میں اپنا اپنا نظام حکومت چلا رہی ہیں۔ اس صورت حال میں ترکوں کی تباہی اور جزیرۃ العرب کی ریاستوں میں اغیار کی غلامی کے پیش نظر ترکوں کی امداد اور جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کے اخراج کے لیے رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کی تکمیل کے لیے تمام عالم اسلامی میں جذبہ بیداری پیدا ہو گیا اور اسی سلسلے میں برصغیر ہند میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا جس کی قیادت حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی (لکھنؤ)، مولانا محمد علی جوہر مرحوم، ان کے بھائی شوکت علی مرحوم، مولانا ظفر علی خان صاحب مالک مدیر اخبار ”زمیندار“ لاہور، وغیرہ بزرگان نے فرمائی۔ ان بزرگان نے ملک کے گوشہ گوشہ میں دورے کیے۔ مسلمان عوام کو بیدار کرتے ہوئے عالم اسلام کی محبت و ہمدردی کے لیے اُن کے جذبات کو گرمایا اور عالم اسلام کی بدترین عیسائی حکومت یعنی دشمن اسلام برطانیہ جو اس وقت ہندوستان پر تختی سے قابض تھا، سے عدم تعاون اور مقاطعہ کی تحریک شروع کی اور

تک یادگار رہیں گی۔ میرے مرحوم استاد اور ماموں مولانا محمد فیض اللہ صاحب ملتانی نے اپنی ریلوے ملازمت سے استعفیٰ دے کر اس تحریک میں اپنی دردمندی کا اظہار کیا۔ بندہ اپنے والد صاحب مرحوم اور حضرت ماموں صاحب مرحوم کے جذبات ایثار سے متاثر ہو کر بطور رضا کار خلافت بھرتی ہو گیا اور ملتان میں اپنے انھی بزرگان حضرت مولانا عبدالغفار صاحب اور حضرت مولانا عبدالنواب صاحب رحمہما کی زیر سرپرستی اس تحریک میں ایک کارکن کی حیثیت میں داخل ہو گیا۔ بندہ کو آج تک وہ دن یاد ہے جب ۱۹۱۹ء میں حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی، مولانا محمد ابوالقاسم بناری، حضرت مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی، حضرت مولانا محمد صاحب جونا گڑھی دہلوی، حضرت مولانا احمد سعید صاحب بناری، حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب نصیر آبادی، حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب صادق پوری، حضرت مولانا محمد اکرم خان صاحب مالک اخبار ”محمدی“ کلکتہ (بنگلہ)، حضرت مولانا عبداللہ الباقی بنگال وغیرہ حضرات کے اسمائے گرامی اب تک مجھے یاد ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین

مجھے وہ زمانہ یاد ہے جب ۱۹۲۰ء میں حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا اسماعیل صاحب غزنوی رحمہ اللہ بسلسلہ تحریک خلافت ملتان تشریف لائے تو ان کی تقاریر سے عوام میں اس قدر تاثر پیدا ہوا کہ بہت سے نوجوانوں نے تعلیمی اداروں سے ترک مولات کر دیا اور اپنی تعلیمی ترقیات کو خیر باد کہہ کر اسلامی تعلیمات کو اپنایا۔ اس تحریک میں پنجاب میں اُن کے ساتھ بڑے بڑے اکابر علمائے کرام نے شرکت کرتے ہوئے انگریزوں کی طرف سے مقدمات میں سزایاب ہو کر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اُن میں حکیم میر نور الدین صاحب لائل پوری مرحوم اور مولانا محمد علی صاحب قصوری مرحومین شامل ہیں۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب قصوری رحمہ اللہ نے اپنی وکالت چھوڑ کر انگریز سے عدم تعاون کرتے ہوئے پنجاب میں جس سرگرمی سے خدمات انجام دیں وہ رہتی دنیا

تک یادگار رہیں گی۔ میرے مرحوم استاد اور ماموں مولانا محمد فیض اللہ صاحب ملتانی نے اپنی ریلوے ملازمت سے استعفیٰ دے کر اس تحریک میں اپنی دردمندی کا اظہار کیا۔ بندہ اپنے والد صاحب مرحوم اور حضرت ماموں صاحب مرحوم کے جذبات ایثار سے متاثر ہو کر بطور رضا کار خلافت بھرتی ہو گیا اور ملتان میں اپنے انھی بزرگان حضرت مولانا عبدالغفار صاحب اور حضرت مولانا عبدالنواب صاحب رحمہما کی زیر سرپرستی اس تحریک میں ایک کارکن کی حیثیت میں داخل ہو گیا۔ بندہ کو آج تک وہ دن یاد ہے جب ۱۹۱۹ء میں حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری مرحوم نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس امرتسری میں اپنا خطبہ استقبالیہ پڑھ کر سنایا تھا جسے سن کر مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرحوم، مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے دعا دی تھی۔ اسی تحریک خلافت میں حضرات غزنویہ مرحومین کے علاوہ پنجاب میں حضرت مولانا میر سیالکوٹی مرحوم نے پنجاب بھر میں جگہ بہ جگہ دورے کر کے عوام کی بیداری میں بھرپور حصہ لیا۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالوی مرحوم نے اپنے شہر میں آزادی ملک اور تحریک خلافت میں سرگرم کار رہ کر اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صرف کیا۔ اس تحریک میں ملکی آزادی کے جذبے میں سرشار ہو کر جب بعض مولویوں نے ہندوؤں سے رواداری کے لیے گاؤ کشی سے احتراز کی حکمت عملی اختیار کی تو دہلی میں حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب امام جماعت غرباء اہل حدیث مرحوم اور ان کے شاگردوں نے اُن کی مخالفت کرتے ہوئے عید الاضحیٰ کے موقع پر سنت نبویہ کی اطاعت کے لیے ان کو بروقت ٹوکا بلکہ پوری قوت صرف کر کے اس موقع پر محض گائے کی قربانی کو فریضہ قرار دے کر بے شمار گائیں ذبح کرائیں اور بتا دیا کہ وہ کسی مصلحت کے لیے اپنے دینی احکامات کو قربان کرنے کے لیے تیار نہیں اور انھوں نے سنت نبوی ﷺ کو سر بلند رکھنے کی نمایاں خدمت انجام دی۔

تبصرہ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے صحیح راہنمائی نہ ملنے کی صورت میں جادہ استقامت سے کہیں دور نکل جاتے ہیں اور طرح طرح کے خدشات کا شکار ہو جاتے ہیں، پس لوگوں کا یہ رویہ دیکھ کر ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمن العرفیؒ نے اس حساس موضوع پر قلم اٹھایا، چنانچہ وہ اپنی اس کتاب کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک افریقی ملک کا سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے ہاں ایک آدمی کا ظہور ہوا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ ہی عیسیٰ ابن مریم ہے جو کہ پہلے نازل ہو چکا ہے۔ ان حالات میں لازمی ہو گیا تھا کہ عوام الناس کے لیے قیامت کی نشانیاں اور ان کے معانی اور فقہ کی وضاحت کی جائے (تاکہ لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا نہ ہوں۔)“ (ص: ۵)

زیر تبصرہ کتاب ”دنیا کا خاتمہ“ ایک عربی کتاب بنام ”نہایت العالم“ کا ترجمہ ہے۔ ترجمہ شستہ اور آسان اردو زبان میں ہے۔ ترجمے میں کتاب کی اساس برقرار رکھنے میں مترجم نے ہر ممکن کوشش کی ہے اور بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

مؤلف محترم نے پیش نظر کتاب میں علامات قیامت کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا ہے: قیامت کی چھوٹی نشانیاں اور قیامت کی بڑی نشانیاں۔ چھوٹی نشانیوں کی تعداد ۱۳۱ ہے جس میں بقول ان کے ۸۳ علامات ظاہر ہو چکی ہیں۔ بڑی علامات دس ہیں جو صرف قرب قیامت ہی واقع ہوں گی یعنی ان کے ظہور کے فوراً بعد قیامت کا وقوع ہوگا اور تاہنوز ان میں سے ایک بھی علامت ظاہر نہیں ہوئی۔

کتاب ہذا میں ہر بات مدلل و برہنہ کی گئی ہے اور اس بات کو

دنیا کا خاتمہ

مؤلف: ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمن العرفی

مترجم: مولانا شفیق الرحمن الدراوی

ضخامت: ۳۶۵ صفحات

ناشر: الفرقان ٹرسٹ، خان گڑھ، ضلع مظفر گڑھ۔

ٹیلی فون نمبر: 041-3269292

تبصرہ نگار: حماد الحق نعیم

ایمان بالغیب ارکان ایمان کا ایک اہم رکن ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان تمام حوادث و واقعات اور اخبار و احوال کی حتمیت اور سچائی کو پوری طرح تسلیم کیا جائے جنہیں شریعت اسلامیہ نے بیان کیا ہے، خواہ یہ حوادث وغیرہ ہمارے مشاہدے میں آئے ہوں یا نہیں اور تاہنوز وقوع پذیر ہوئے ہوں یا نہیں۔ انہیں حوادث میں قیامت سر فہرست ہے۔ اس کے متعلق ذہن میں کئی ایک سوالات اٹھتے ہیں جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ یہ کب واقع ہوگی۔ ماہ و سال کے تعین کے ساتھ عقل انسانی اور جدید ٹیکنالوجی اس کے جواب سے قاصر ہے اور شریعت نے بھی اس کا واضح تعین نہیں کیا، البتہ کچھ نشانیاں ضرور بیان کی ہیں جو قرب قیامت واقع ہوں گی۔ ان علامات کو ”أشراط الساعة“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس موضوع پر متقدمین اور متأخرین کے ہر دو علماء نے خامہ فرسائی فرمائی ہے، جس سے لوگوں کی اس عنوان پر دلچسپی عیاں ہوتی ہے۔ اور بالخصوص عصر حاضر میں لوگوں کے مستقبل کے حوالے سے بہت سے احساسات اور تجسّسات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اکثر لوگ اس

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے انتہائی معتقد تھے۔ ان کے والد گرامی حضرت حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ ایک دل درد مند رکھنے والے قومی راہنما تھے۔ اور علم و ادب سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نامی گرامی والد کے بیٹے بھی ایک معروف طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ علم و ادب کے شنوار، کئی طبی و ادبی کتب کے مصنف اور قومی و ملی درد اپنے سینے میں رکھنے والے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب جناب حکیم راحت نسیم سوہدروی کی عظمت، خدمات، قومی و ملی غیرت و حمیت، علم و ادب کے لیے دی گئی بیش بہا قربانیوں کا قیمتی مواد سمیٹے ہوئے ہے۔ ان کے کارناموں کی فہرست ان کی بیشتر خدمات کی طرح طویل بھی ہے اور دلنشین بھی ہے اور تاریخی بھی، جنہیں ان کے معاصرین نے بڑے خوب صورت انداز میں تحریری طور پر پیش کیا ہے۔ یہ ساری تحریرات حکیم رفیق احمد صابر اور حکیم فضل امین صاحبان نے یکجا کتابی صورت میں جمع کر دی ہیں۔ آٹھ ابواب پر مشتمل یہ کتاب بڑی معلوماتی ہے۔ پہلے باب میں حکیم صاحب موصوف کے خاندانی پس منظر، ولادت اور تعلیم و تعلم کی بابت بڑی تفصیلی معلومات ہیں جو آغا راشد صاحب کے نوک قلم سے نکلی ہیں۔ دوسرے باب میں حکیم محمد حامد نظامی اور حکیم مقبول احمد شاہ نے اپنے عظیم دوست کے لیے ہمدردی و محبت کے کلمات بڑے خوب صورت انداز میں ادا کیے ہیں۔

باب چہارم حکیم راحت نسیم سوہدروی کے قلم گوہر بار سے ترتیب دی گئیں ادبی و طبی کتب پر ان کے معاصرین کے کیے گئے تبصرے و تعارف پر مبنی تحریروں پر قائم کیا گیا ہے۔ حکیم صاحب نے جو کتب تحریر کیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

- ۱۔ مشاورتی طب۔ ۲۔ قیام حمل سے دودھ چھڑانے تک۔ ۳۔ آسان علاج معالجہ۔ ۴۔ بیماریاں اور ان کا نباتاتی علاج۔ ۵۔ قدرتی خزانوں سے علاج۔ ۶۔ شہد اور کلونجی سے علاج۔ ۷۔ تاریخ طب۔ ۸۔ پھل غذا بھی، دوا بھی۔ ۹۔ بالوں کے امراض۔ ۱۰۔ تاج محل کے دیس میں۔ ۱۱۔ سرزمین پاک سے ارض مقدس تک۔ ۱۲۔ نواب زادہ

خصوصاً ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ہر بات کا مرجع و ماخذ ضرور کیا جائے۔ عنوانات کی ترتیب عمدہ ہے۔ مصادر کی کثرت مؤلف کے علمی ذوق کا پتا دیتی ہے۔ کتاب کے مباحث پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موضوع کتاب پر مؤلف کی گرفت بڑی مضبوط ہے۔

پیش نظر کتاب کمپیوٹر پر کمپوز شدہ ہے۔ پروف ریڈنگ پر حسب ضرورت توجہ نہ کرنے کی وجہ سے غلطیاں کثیر تعداد میں رہ گئی ہیں۔ ان کی نشاندہی کے لیے ہم سے رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ مروجہ حوالہ جاتی طریقے پر چنداں توجہ نہیں کی گئی یعنی بلا قید و صرف ماخذ و مرجع کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ آئندہ ایڈیشن میں ان خامیوں کو دور کر لیا جائے تاکہ دوران مطالعہ قاری کا تسلسل اور کتاب میں انہماک متاثر نہ ہو۔

بہر حال کتاب لائق مطالعہ ہے۔ کتاب عمدہ آرٹ پیپر پر طبع کی گئی ہے۔ مضبوط جلد بندی اور خوبصورت ٹائٹل سے کتاب کی خوبصورتی دو چند ہو گئی ہے۔ عنوان کی مناسبت سے عمدہ تصاویر کا انتخاب بھی کیا گیا ہے، اس طرح علامات قیامت پر یہ خوبصورت با تصویر کتاب ترتیب پا گئی ہے۔

حکیم راحت نسیم سوہدروی معاصرین کی نظر میں
مرتبین: حکیم رفیق احمد صابر، حکیم حافظ فضل امین

ضخامت: ۴۹۵ صفحات

قیمت: ۴۰۰ روپے

ملنے کا پتا: ادارہ مطبوعات ”غذا و صحت“ شامی پارک، چوکی

امر سدھو، لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

حکیم راحت نسیم سوہدروی دور حاضر کے ایک معروف دانش ور، قلم کار، طب مشرق کے حکیم حاذق اور ایک بڑے باپ کے عظیم القدر بیٹے ہیں۔ ان کے والد گرامی تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن، تحریک تحفظ ختم نبوت کے مجاہد، مولانا ظفر علی خان مرحوم اور ڈاکٹر

ہم جناب حکیم رفیق احمد صابر اور حکیم حافظ فضل امین (مرتبین) کو مبارک باد پیش کرتے ہیں جنہوں نے محنت شاقہ سے اپنے دوست و بھائی جناب حکیم راحت نسیم سوہدروی کو ان کی زندگی کا بہترین تحفہ مرتب کر کے دیا ہے۔ کتاب لائق مطالعہ ہے اور قیمتی تاریخی دستاویز کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

مکتبہ دانیال، ادارہ مطبوعات سلیمانی اردو بازار سے یہ کتاب مل سکتی ہے۔



بقیہ: عاشوراء کا روزہ

ایسے ہی عاشوراء کا روزہ رکھا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: جی ہاں۔
(صحیح مسلم: ۱۱۳۲)

اب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ”نو“ والاف توئی مرفوع حدیث کے موافق ہے، بلکہ صحیح مسلم کی حدیث کے الفاظ اس بات میں صریح ہیں کہ انہوں نے ”نو“ والاف توئی حدیث مرفوع کی بنا پر دیا ہے جبکہ ان کے ”نو“ اور ”دس“ والے فتوے کی بنیاد پر کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے بلکہ ان کا یہ فتویٰ ”نو“ والی حدیث نبوی ﷺ کے خلاف ہے، لہذا ان کا ”نو“ والاف توئی ہی رائج ہے۔

اعترض نمبر ۳:

بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات تو دس محرم کو ملی تھی، اگر صرف نو محرم کا روزہ رکھا جائے تو دس محرم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

جواب:

نبی کریم ﷺ نے یہود کی مخالفت میں اپنا دن تبدیل کر لیا ہے، یعنی اب ہماری خوشی ”نو“ محرم کو ہوگی، اس میں کیا حرج ہے۔ ہم تو فرمان نبی ﷺ کے پابند ہیں۔



نصر اللہ خان۔ ۱۳۔ حیات نسیم۔ ۱۴۔ سوہدرہ تاریخ کے آئینے میں۔
۱۵۔ سوہدرہ گزٹ۔

حکیم راحت نسیم صاحب کی مرتبہ کتب پر تبصرے بھی بڑے بڑے حکماء و مدبرین نے پیش کیے ہیں۔ ان میں حکیم محمد سعید رحمہ اللہ، ظفر علی راجا، ڈاکٹر شفیق جالندھری، حکیم محمد شریف جگر انوی، حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی رحمہ اللہ، پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ، ڈاکٹر ایم اے صوفی، حسنین صحرائی، ڈاکٹر انور سدید وغیرہم شامل ہیں۔

باب پنجم میں حکیم راحت نسیم سوہدروی کے بارے ملک کے نامور اہل قلم اور دانش ور حضرات کے رشحاتِ فکر کا خوب صورت اظہار ہے۔ ڈاکٹر انور سدید، جناب عطاء الحق قاسمی، مولانا محمد اسحاق بھٹی، رانا شفیق پسروری، مجیب الرحمان شامی و دیگر حضرات نے حکیم راحت نسیم سے وابستہ یادوں کو اجاگر کیا ہے۔

باب ششم میں حکیم راحت نسیم سوہدروی کے معاصر یارانِ وقت نے انہیں زبردست خراجِ محبت سے نوازا ہے۔ کتاب میں قائم کیے گئے خوبصورت عناوین سے اس محبت کا اندازا لگانا کوئی مشکل نہیں۔ یہ عناوین ملاحظہ فرمائیں:

طب کا شاہین، طبی تحریک کی شمع فروزاں، دانائی سے مسیحا کی تک، جلوہ تیرا نظر نظر، سحر انگیز شخصیت، ایک قد آور علمی شخصیت، میرے راحت بھائی، سفیر طب، پروقار شخصیت، نابغہ روزگار، قلم کارِ وقت وغیرہ۔

ساتواں باب انٹرویوز پر اور آٹھواں باب منظوم خراجِ عقیدت پر مبنی ہے۔ بارہ نظموں پر مشتمل یہ باب حکیم سلیم اختر ملک، حکیم رمضان اطہر، خالد یزدانی، علامہ قربان نظامی جیسے شعراء نے حکیم صاحب سے اپنی عقیدت کا خوب اظہار کیا ہے۔

کتاب کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ مزین ہے۔ ہمدرد پاکستان کی چیئر مین جنابہ سعدیہ راشد صاحبہ کا پیغام، حکیم سید ظل الرحمان (صدر ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ، بھارت) کے قلم سے اس کتاب کا پیش لفظ لکھا گیا ہے جو ایک تحسین و آفرین پر مشتمل شہ پارہ سے کم نہیں۔

مہدی برحق

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں مجبوس
خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیار

پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم
نئے جدّتِ گفتار ہے، نے جدّتِ کردار

ہیں اہلِ سیاست کے وہی گہنہ خم و پیش
شاعر اسی افلاسِ تخیل میں گرفتار

دُنیا کو ہے اُس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلہ عالم افکار

(علامہ ڈاکٹر محمد اقبال)